نذرِ خسرو



مرتبہ

ایس۔ ایس۔ لانبہ

Nazre Khusro



سلسلہ مطبوعاتِ وِرا اکیڈمی (۲۷)

نذرِ خسرو

حضرت امیر خسرو دہلوی کو شعرائے اردو کا منظوم خراجِ عقیدت

مرتبہ

ایس۔ایس۔لانبہ

زمانہ اشاعت ——— ۲۴/۱ اکتوبر ۱۹۷۵ء

تعداد اشاعت ——— ایک ہزار

کتابت ——— عبدالصبور خاں

طباعت ——— جمال پریس دہلی

ناشر

ولا اکیڈمی حیدرآباد

قیمت ——— پانچ روپے

ملنے کا پتہ

ایس۔ ایس۔ لانبہ

کے۔ ۱۲۳، کیرتی نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۵

वला एकेडेमी अजीज बाग सुलतानपुरा।
हैदराबाद 24 आ: पी:

ولا اکیڈمی۔ عزیز باغ، سلطان پورہ

حیدرآباد ۲۴، اے پی



राष्ट्रपति भवन नई दिल्ली - 110004
RASHTRAPATI BHAVAN NEW DELHI 110004
INDIA



نئی دہلی

۲۲/ستمبر سنہ ۱۹۷۵ء

مجھے بڑی خوشی ہے کہ جناب امیر ماہر لانبہ نے "نذر خسروؔ" کے نام سے یہ خوبصورت مجموعہ شائع کیا ہے۔ اردو شعراء نے ہر دور میں امیر خسرو کو منظوم خراج عقیدت پیش کئے ہیں۔ نذر خسرو ان کا انتخاب ہے۔ جناب لانبہ کو اردو زبان سے دلچسپی ہے ان کی یہ کوشش لائق قدر ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ یہ مجموعہ ادبی حلقوں میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائیگا۔



PRIME MINISTER

New Delhi,
October 6, 1975

Dear Shri Lamba,

I have received your letter of September 22.

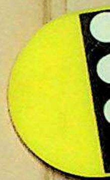
I welcome the revived interest in Amir Khusro's works. He is a true people's poet. His riddles continue to delight the young of all ages.

Yours sincerely,

Indira Gandhi

(Indira Gandhi)

Shri S.S. Lamba,
K-123, Kirti Nagar,
NEW DELHI-110015.



اِنتساب

اردو کے نام

ترتیب

تعارف

دنیا میں بہت کم خواب شرمندۂ تعبیر ہوتے ہیں۔ مارچ ۱۹۷۴ء میں جب میں نے جناب ایس۔ ایس لانبہ سے فرمائش کی تھی کہ وہ ایسی اُردو نظمیں جن میں امیر خسرو سے عقیدت کا اظہار کیا گیا ہے جمع کریں تو ان کی مستعدی لگن اور اکثر اردو شعراء سے ان کے ربط ضبط سے واقف ہوتے ہوئے بھی میں یہ تصوّر نہیں کر سکتا تھا کہ ڈیڑھ سال کی قلیل مدت میں نہ صرف یہ کہ یہ گل دستہ مرتب ہو جائے گا بلکہ اس کا اجراء عالی جناب صدر جمہوریہ ہند کے مبارک ہاتھوں سے عمل میں آئے گا۔

امیر خسرو کا تصوف روایتی صوفیت سے مختلف تھا۔ وہ زندگی سے فرار کے قائل نہ تھے گوشہ نشینی ان کا مشرب نہ تھا۔ وہ سماج کے آدمی تھے مجلس اور بزم کے آدمی تھے۔

ہندوستان میں عوامی ادب کی باضابطہ ابتداء خسرو ہی سے ہوتی ہے۔ انھوں نے عوامی مسائل اور عوام کی زندگی سے بھرپور دلچسپی لی۔ ان کا سوز دل جس پر ان کے پیر طریقت کو ناز تھا دراصل انسانیت سے تعلق خاطر اور محبت کا ایسا درد تھا جس کیلئے انسان پیدا کیا گیا۔ انھوں نے بلالحاظ مذہب و نسل عوام سے محبت کی۔ عوام نے بھی بلالحاظ مذہب و نسل جی جان سے ان کے اس طریقۂ عمل کی داد دی۔ ان سے عقیدت کا رشتہ بھی

قائم کیا اور محبّت کا بھی۔ اور یہ سلسلہ ایک دور تک محدود نہ رہا بلکہ گزشتہ سات سو سال میں عوام نے بلا فصل ان کو مقبولیت عامہ کا تاج پہنائے رکھا۔

شاعر عوام کے جذبات اور احساسات کے ترجمان ہوتے ہیں۔ امیر خسرو سے عوام کو جو بے پناہ عقیدت تھی اور ہے وہ محسوس کرنے کی چیز ہے۔ اردو شاعروں نے اس کو محسوس کیا اور عوام کے ان جذبات عقیدت کی اپنے اپنے انداز سے ترجمانی اور عکاسی کی۔ اگر ایک طرف اردو شاعروں نے امیر خسرو سے مسلک انسانیت کا درس لیا ہے تو دوسری طرف امیر خسرو اور عوام کے اس باہمی ربط سے بھی روشنی حاصل کی ہے۔

یہ سعادت سردار سرجیت سنگھ لانبہ کے حصّہ میں آئی ہے کہ انھوں نے امیر خسرو سے عوام کی عقیدت اور محبّت کا اندازہ اردو شاعروں کی تخلیقات کے پیمانہ سے کیا۔ اور ایک انوکھے انداز میں کیا۔

لائق مرتب نے اپنی کوشش کا "اردو کے نام" انتساب کر کے گویا خود اپنا تعارف کروایا ہے۔ جو لانبہ صاحب سے واقف نہیں ہیں وہ جان لیں کہ زبان سے ایسی بے لاگ محبت رکھنے والے آج کم کم ہی نظر آئیں گے۔ اس انتساب کے ذریعہ انھوں نے اس بات کا ثبوت بھی فراہم کیا ہے کہ وہ خسرو اور اردو کے ربط کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ خود اس گلدستہ میں مشیر جھنجانوی فرماتے ہیں۔

ربط ایسا کہ مٹائے نہ مٹے

جسم اردو ہے تو جان ہے خسرو

اس مجموعہ کے لئے اس سے بہتر انتساب اور کیا ہو سکتا تھا۔؟

سرجیت سنگھ لانبہ کو "خسرویت"، جس کا ایک جز اردو دوستی بھی ہے

ورثہ میں ملی ہے۔ ان کے والد سردار کرپال سنگھ لانبہ (ریٹائرڈ) صوفی منش خدا پرست اور انسانی شرافت کا نمونہ تھے۔ وہ موحد تو تھے ہی ان کے دل میں قرآن شریف اور گرو گرنتھ صاحب کی عظمت یکساں تھی۔ وہ اردو کے پرستار تھے۔ لانبہ صاحب نے جو کچھ اپنے والد محترم سے پایا پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرزند تک پہنچا دیا کم سن پرم جیت سنگھ لانبہ دلی کے ادبی حلقوں میں متعارف ہیں وہ اردو شعراء کے منتخب کلام سے سامعین کو محظوظ کرتے رہتے ہیں۔

عالی جناب فخر الدین علی احمد صاحب نے اس گل دستہ کے لئے پیام مرحمت فرمایا ہے۔ یہ نہ صرف مرتب کے لئے۔ خسرو تقاریب کی قومی کمیٹی کے لئے بلکہ ہر اردو داں کے لئے لائق فخر و مباہات ہے۔

توقع ہے کہ یہ گل دستہ مقبول خاص و عام ہوگا۔

حسن الدین احمد

۳۰۷، کرزن روڈ اپارٹمنٹ نئی دھلی

اکتوبر ۱۹۷۵ء

نذرِ عقیدت

"نذرِ خسرو" جو آپ کے پیشِ خدمت ہے حضرت امیر خسرو کی بارگاہ میں اُردو شعراء کے منظوم خراجِ عقیدت کا ایک مختصر مجموعہ ہے۔ امیر خسرو دہلوی کی سات سو سالہ تقریبات کی قومی کمیٹی کے جنرل سکریٹری جناب حسن الدین احمد نے مارچ ۱۹۷۴ء میں مجھ سے یہ خواہش کی تھی کہ اردو شعراء نے حضرت امیر خسرو سے عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے جو نظمیں لکھی ہیں ان کو فراہم کروں تاکہ اس دوران مختلف جرائد کے امیر خسرو نمبر شائع ہوں تو ان نظموں کی مانگ کی تکمیل ہو سکے۔ مجھے اردو زبان سے خاص محبت ہے۔ اور میں اس حسین زبان کا عاشق ہوں۔ میں خود کو اردو زبان کا ایک ادنیٰ سپاہی تصور کرتا ہوں۔ مجھے جب یہ کام سونپا گیا تو میں نے مسلسل محنت اور جستجو سے نظمیں فراہم کیں۔ اور گذشتہ ڈیڑھ سال کی مدت میں اس کام میں لگا رہا۔ اس سلسلہ میں جناب پیر ضامن نظامی جناب خواجہ حسن ثانی نظامی اور جناب گلزار دہلوی سے مجھے تعاون حاصل ہوا اور نظمیں فراہم کرنے میں یا شعراء صاحبین سے ربط پیدا کرنے میں مدد ملی جس کے لئے میں ان اصحاب کا ممنون ہوں۔ میں ان تمام شعراء حضرات کا بھی تہِ دل سے ممنون ہوں جنھوں نے میری استدعا پر اپنے کلام سے مجھے نوازا۔ مجھے اس کام میں توقع سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی نہ صرف نظمیں بلکہ حضرت امیر خسرو کے فارسی کلام کے منظوم اردو ترجمے اور حضرت امیر خسرو کی غزلوں پر

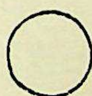
لکھے گئے خمسے بھی فراہم ہوئے یہ محسوس کیا گیا کہ اگر ان تمام کا مجموعہ شائع کیا جائے تو وہ خاص اہمیت کا حامل ہوگا لیکن سوال انتخاب اور ترتیب کا تھا جو کوئی آسان کام نہ تھا۔ میری اس مشکل کو جناب مخمور سعیدی نے حل کیا ہیں خلوص دل سے انکا شکریہ ادا کرتا ہوں جناب حسن الدین احمد کی رہبری مجھے ہر قدم پر حاصل رہی۔ اگر ان کا بھرپور تعاون ہر نوبت پر میرے شامل حال نہ ہوتا تو یہ مجموعہ معرض وجود ہی میں نہ آسکتا۔ میں جناب موصوف کا تہ دل سے ممنون ہوں۔

مجھے حضرت بابا فرید کے خلیفہ حضرت محبوب الٰہی اور محبوب الٰہی کے چہیتے حضرت امیر خسرو سے عقیدت ہے یہ میرے لئے باعثِ مسرت ہی نہیں باعثِ فخر بھی ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ مجھے اردو زبان کی تھوڑی سی خدمت کرنے اور ساتھ ہی حضرت امیر خسرو کے تعلق سے اپنے جذبات عقیدت ظاہر کرنے کا موقع ملا۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس کو محض ایک شعری مجموعہ اور شعراء حضرات کے جذبات دلی کا آئینہ دار ہی نہیں بلکہ میرے اپنے جذبات کا گلدستہ عقیدت سمجھ کر قبول فرمائیں گے۔

فخرِ ہند عالی جناب فخرالدین علی احمد صاحب صدر جمہوریہ ہند نے اس مجموعہ کے لئے پیام مرحمت فرمایا ہے اور اس طرح میری ہمت افزائی فرمائی ہے۔ میں نہایت عقیدت واحترام کے ساتھ ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ایس۔ ایس۔ لانبہ

حضرت محبوب الٰہی



گر برائے ترکِ تُرکم آرہ بر تارک نہند
ترکِ تارک گیرم و ہرگز نگیرم ترکِ تُرک

خسرو کہ بنظم و نثر مثلش کم خاست
ملکیّت ملک سخن آں خسرو راست
ایں خسرو ماست ناصر خسرو نیست
زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

ملا شہاب معمائی

لوحِ مزار

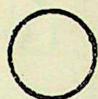
میرِ خسرو، خسروِ ملکِ سخن
آں محیطِ فضل و دریای کمال

نثرِ او دلکش تر از ماءِ معین
نظمِ او، صافی تر از آبِ زلال

بلبلِ دستانسرای دادو دہن
طوطیِ شکّر مقالِ بے زوال

از پئے تاریخِ سالِ فوتِ او
چوں نہادم سر بزانوی خیال

شد "عدیم المثل" یک تاریخ او
دیگرے شد "طوطیِ شکّر مقال"



خسرو، از راہِ کرم بپذیرد — آں چہ من بندہ حسن میگویم
سخنم چوں سخنِ خسرو نیست — سخن این ست کہ من میگویم

امیر حسن دہلوی

شکرشکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند
زیں قندِ پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

حضرت خواجہ حافظ شیرازی

ایں آں غزلِ خسرو معنی ست کہ فرمود
خوبانِ عمل فتنہ ز دیوانِ تو یابند

صائب اصفہانی

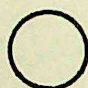
بروحِ خسرو ازیں پارسی شکر دادم
کہ کامِ طوطیِ ہندوستاں شود شیریں

عرفی شیرازی

رہے نہ ایبک و غوری کے معرکے باقی
ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمۂ خسرو

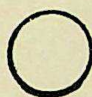
ڈاکٹر اقبال

تلوک چند محروم



رکھی تھی خشتِ اوّل خوب قصرِ نظمِ اُردو کی
مبارک ہاتھ سے اے خُسروِ شیریں زباں تُو نے
سکھائی عندلیبانِ وطن کو نغمہ آرائی
بہ صد اندازِ نوائے طوطیٔ ہندوستاں تُو نے
تڑپتے ہیں نواؤں پر تری ہندو ہیں یا مُسلم
کہ بھر دی نالۂ ناقوس میں بانگِ اذاں تو نے
ادیبانِ سخن ورِ ہند کے ممنون ہیں تیرے
زبانِ تازہ دی اور ساتھ ہی حُسنِ بیاں تُو نے
مئے حُسنِ ازل سب کو پلا کر ایک ساغر سے
مٹا دی میگساروں میں تمیزِ این و آں تُو نے

جمیل مظہری



یہ کس کے ذہنِ رسا کے سائے میں پل رہے ہیں نئے تصور
یہ کس کے جوشِ عمل کے سانچے میں ڈھل رہا ہے نیا زمانہ

یہ کس کے افسونِ ادعا نے طلسم صدیوں کے توڑ ڈالے
اُجڑ گئیں ساری بارگاہیں، پلٹ گیا سارا کارخانہ

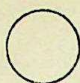
نہ وہ سیاست کے آشیانے، نہ وہ شریعت کے آستانے
نہ وہ ہوس کے قمار خانے، نہ وہ خرد کا نگار خانہ

تصورِ رنگ و بو بھی بدلا، طبیعتِ آب و گِل بھی بدلی
فسانے بننے لگے حقیقت حقیقتیں بن گئیں فسانہ

جو راکھ کے ڈھیر رہ گئے ہیں وہ اب اُٹھیں گردِ راہ بن کر
ہوا کی رفتار کہہ رہی ہے کہ قافلہ ہو چکا روانہ

بُجھے چراغوں میں روشنی ہے، نشیلی آنکھوں کی نیند اُڑی ہے
جمیل کی بانسری نے چھیڑا ہے شام سے صبح کا ترانہ

ماہر القادری (کراچی)



اے شہنشاہِ تغزل، اے امامِ فکر و فن / تیرے شعروں کی روانی موجۂ گنگ و جمن

اللہ اللہ تیری غزلوں کا مزاجِ رنگ و بو / جس طرح غنچے کنول کے، جیسے گلہائے سمن

تیرا لہجہ نغمگی کی روح، موسیقی کی جان / لفظ و معنیٰ کی جوانی تیرا اندازِ سخن

سعدی و حافظ کی صف کے شاعرِ شیریں نوا / تو کہ اپنی ذات سے تھا فارسی کی انجمن

بس ترے خوانِ کمالِ شعر کے زلّہ ربا / رند ہو یا پارسا ہو، شیخ ہو یا برہمن

امتزاجِ شعر و نغمہ، ربطِ آہنگ و نوا / ہے اسی فن کی بدولت اتحادِ جان و تن

کہہ مکرنی ہو، پہیلی ہو کہ ہوں وہ لوک گیت / طفلِ اُردو کو پہنایا تُو نے پہلا پیرہن

تو ہے خود اپنی جگہ شعر و سخن کی روشنی / جگمگا اُٹھے ترے افکار سے کوہ و دمن

نُدرتِ لفظ و بیاں بھی، جدتِ تخئیل بھی / ہے سلاست میں نزاکت سادگی میں بانکپن

مُوجدِ عشاق[1] اے نغمہ نواز و نغمہ گر / راگنی دیوی نے خود آ کر چھوئے تیرے چرن

صاحبِ فکرِ رسا اے شاعرِ شیریں نوا / ہر غزل کا تیری مطلع صبح کی پہلی کرن

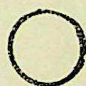
تیری پُرگوئی کی مل سکتی نہیں شاید مثال / شعر خود ہوتے تھے موزوں ارتجالاً دفعتاً[2]

بحرِ عرفاں کے شناور، صاحبِ حال و مقام / تیرے دم سے لہلہا اٹھا طریقت کا چمن

آمدم در بارگاہت نغمہ سنج و مدح خواں
ہدیۂ از من بگیر اے خسروِ ملکِ سخن

[1] ایک راگ کا نام [2] دفعتہً

ساغر نظامی



ادب اے جہانِ حاضر یہ ہے بزمِ خسروانہ / ہے یہاں ازل ترنم، ہے ابد یہاں ترانہ

ہے ہر اک گدا کو حاصل غمِ عشق کا خزانہ / کہ رموزِ فقر سمجھے مرا خود غرض زمانہ

ترا نقشِ پا جہاں تھا ہے وہیں اک آستانہ / کہ اگل دیا زمیں نے کوئی گم شدہ خزانہ

کبھی آہِ صبح گاہی کبھی نالۂ شبانہ / ہے وظیفۂ مسلسل ترا سوزِ عاشقانہ

تری انگلیوں میں بربط تری جنبشوں میں نغمے / ترا ہر نفس ترنم، ترا ہر نفس ترانہ

نہ یہاں ہے کوئی ہندو نہ یہاں کوئی مسلماں / کہ ہے کعبۂ محبت ترا سنگِ آستانہ

ہو مبارک آسماں کو یہ فروغِ ماہ و انجم / کہ ہے کہکشاں سے بڑھ کر تری خاکِ آستانہ

نہ ٹھہر سکا جبیں میں مری بندگی کا طوفاں / جو فضا میں جگمگایا ترا سنگِ آستانہ

ہیں کہیں اشوک و اکبر کہیں گاندھی و جواہر کہ ہے عاشقوں کا معبد ترا سنگِ آستانہ

ترے آستاں کے ذرّے مہ و مہر سے فزوں تر ہے یہاں گدا کو حاصل تب و تابِ خسروانہ

بھڑک اُٹھی اسکے دل میں بھی اک آرزوئے سجدہ

ترے آستاں پہ آیا تو ٹھہر گیا زمانہ

کوئی نغمہ چھیڑ مطرب بہ ادائے دلبرانہ جسے سُن کے جھوم اٹھے مرا سنگ دل زمانہ

جو بتوں میں رُوح بھر دے وہ نوائے باغیانہ جو حرم کو دیر کر دے وہ صدائے کافرانہ

ترا ساغرِ صبوحی ابھی نیم رس ہے ساقی جو سحر کو رات کر دے، وہی بادۂ شبانہ

بڑی ناتمامیاں ہیں مرے جذبۂ خودی میں مجھے بے خودی عطا کر بہ جلالِ خسروانہ

نہ مرا جنوں مکمل، نہ مری خرد مکمل ہے جنوں فریبِ مطلق ہے خرد مری بہانہ

ترے سازِ سرمدی سے یہ صدائیں آ رہی ہیں کہ دُھنیں تو مختلف ہیں مگر ایک ہے ترانہ

یہاں جس کی ساحری سے نئی نسل مسکراتی مرے لفظ لفظ میں ہے وہی نطقِ ساحرانہ

جو زبانِ عاشقی ہے جو بیانِ زندگی ہے ترے ساز سے ملا وہ مجھے نطقِ جاودانہ

نئے ہند کو زباں دی ترے نطقِ سرمدی نے مرے بُت کدے کی ضو ہے ترا سوزِ عاشقانہ

بڑی مشکلوں سے سمجھی تری زندگی کو دُنیا بڑی مدتوں میں آیا تری راہ پر زمانہ

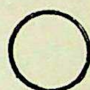
تجھے جو صاحبانِ حشمت نہیں خاک انکی باقی ترا فقر جاگتا ہے بہ جلالِ عاشقانہ

یہ حجابِ خاکِ دہلی سے صدائیں آ رہی ہیں کہ ہے تاج و تخت سپنا، ہے شہنشہی فسانہ

اسی آستاں سے مجھ کو نئی زندگی ملی ہے

مجھے ہر نفس ہے آغازِ اک حیاتِ جاودانہ

ساغر نظامی



اے عندلیبِ عشق اگر تیرا فیض ہو — خونِ جگر سے اور چمن کو نکھار دوں

تیری نسیم گر دلِ ویراں کو چھو بھی لے — کانٹوں کو بھی چمن میں پیامِ بہار دوں

تقدیر سے ملے جو ترا نطقِ سروری — نغموں کے پھول سارے زمانے پہ وار دوں

تیری صراطِ عشق اگر ہو مجھے نصیب — پُر پیچ گھاٹیوں کو رہِ استوار دوں

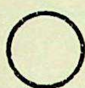
مل جائے اک لپٹ جو ترے قلبِ گرم کی — مُردہ دلوں کو دولتِ برقِ شرار دوں

پرتو جو تیرے فقر کا پڑ جائے روح پر — میں بے لبوں پہ سارے زمانے کو وار دوں

گو کم نہیں ہے حکمتِ حاضر کی دسترس — تو دستگیر ہو تو ستارے اتار دوں

پرتو جو تیرے آئینے کا ہو مجھے نصیب
میں پتھروں کو جوہرِ آئینہ دار دوں

رئیس امروہوی (کراچی)



ترانۂ رُوحِ دو جہاں ہیں نوائے جاں ہیں امیر خسرو

حیات خود نغمہ خواں ہے جن کی وہ نغمہ خواں ہیں امیر خسرو

"سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں"

"اندھیری رتیاں" نہ کیوں ہوں روشن کہ ضو فشاں ہیں امیر خسرو

وہ ہندی الاصل فارسی گو وہ برج بھاشا وہ کہہ مکرنی

مگر جو کہہ کر کبھی نہ مکری وہی زباں ہیں امیر خسرو

وہ شاعر و عارف و قلندر وہ خسروی شان وہ فقیری

نہ کیوں ہوں جان جہاں کہ آخر جہانِ جاں ہیں امیر خسرو

نظامِ دین و نظامِ دنیا کا ان پہ فیضان ہے کہ اب تک

نظامِ عالم ہے پیر کہنہ مگر جواں ہیں امیر خسرو

جمال اجمیر و حُسن دہلی کہ جس پہ ہندوستاں ہے نازاں

اُسی جمال ابد نما کے قصیدہ خواں ہیں امیر خسرو

رئیس ان کا دوام عظمت نہ کیوں ہو عظمتِ دوامی

"دوام" خود ترجمہ ہے جس کا وہ ترجماں ہیں امیر خسرو

شمیم کرہانی



مرحبا خسروِ نوا گستر — طوطیِ ہند، نغمہ سنجِ بہار

ذہنِ خلّاق کا ہر ایک عمل — فکر و معنی کا قافلہ سالار

رزم میں بے عدیل تُرک جری — بزم میں بے نظیر موسیقار

مصحفِ نظم، رشکِ گُلشن — صفحۂ نثر، غیرتِ گل زار

اُس کی ہر بیت اک شگوفہ زار — اُس کا ہر شعر، اک دُرِ شہوار

ہر رباعی میں زندگی کے رموز — ہر پہیلی میں ذہن کے اسرار

غزل اُس کی لطیف تر ایسی — جیسے پھولوں کی نرم رخسار

کافرِ عشق و صوفیِ صافی — بندۂ حق پرست و سجدہ گزار

عارضِ فن پہ غازہ و تابش — چہرۂ زندگی پہ گرد و غبار

بزمِ حرف و سخن میں نغمہ سرا — عشقِ محبوبِ حق میں سینہ فگار

اہلِ ایراں کو اعتبار آیا — ایسا محکم زبان کا معیار

ہند راحت کے راستے لیکن — منکشف دو جہان کے اسرار

سرزمینِ وطن میں جذب ہوا — ایسا رکھتا تھا خاکِ ہند سے پیار

تجھ پر اربابِ فکر و فن کا سلام

قصرِ اردو کے اوّلیں معمار

گوپی ناتھ امن



کوئی پیتا میرا جامۂ احرام میں آئے
محمد کی گلی یا کوچۂ گھنشام میں آئے

خدا شاہد کہ سر جھکتا ہے اہلِ دل کے قدموں پر
مئے صافی سے مطلب ہے کسی بھی جام میں آئے

نیاز آگیں جبیں لے کر جو بزمِ ناز میں آئے
نہ کیوں پھر وہ شمارِ اہلِ سوز و ساز میں آئے

تصوّف کی نگاہیں تو اُسے پہچان ہی لیں گی
کسی بھی بھیس میں آئے کسی انداز میں آئے

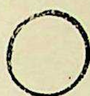
مبارک اُس کا جینا جو تری سرکار میں آئے
صفائے قلب لے کر صدق سے دربار میں آئے

نگاہِ اہلِ عالم میں جو عزت ہو تو کیا عزت
وہ قسمت کا دھنی ہے جو نگاہِ یار میں آئے

مقام اُن کا بھی اونچا ہے جو تیری راہ میں آئے
اور اُنکی بات ہی کیا جو تری درگاہ میں آئے

عبادت اور سجدوں کی بھی عزت دل میں ہے لیکن
عبادت وہ عبادت ہے مزا جب آہ میں آئے

سلام مچھلی شہری



زمیں پر اگر دیوتا کچھ نہ ہوتے تو انساں شاید پریشان ہی رہتا
نظارے تو ہوتے بہاریں تو ہوتیں مگر گلشن فکر ویران ہی رہتا

حقیقت کا مفہوم واضح نہ ہوتا اگر دل نشیں کلپنائیں نہ ہوتیں
کوئی خاص منظر نکھرہی نہ پاتا جو اس کے لیے کچھ فضائیں نہ ہوتیں

حقیقت کی ان ہوفشاں منزلوں میں، حسین خواب اب مسکرانے لگے ہیں
بزرگوں نے جو دیپ روشن کیے تھے وہی دیپ پھر جگمگانے لگے ہیں

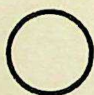
کلا اور سنگیت کے دیپ پھر سے مقدس فضاؤں میں جلنے لگے ہیں
زہے عہد حاضر کہ حافظ کے بربط پہ میرا کے نغمے مچلنے لگے ہیں

مبارک کہ وادیٔ گنگ وجمن میں کلا کو نئی زندگی مل رہی ہے
مبارک کہ پھر طوطیٔ ہند خسرو کے افکار کی روشنی مل رہی ہے

نئی روشنی میں نئے تاج محلوں، اجنتاؤں کا جنم ہونے لگا ہے
ہمارے کلا مندروں سے قریب آج پھر پیار کا دھرم ہونے لگا ہے

ملی ہے ضیا بار تعبیر جس کی وہی خواب پہلے بھی دیکھا گیا تھا
مبارک وطن کی سحر کہہ رہی ہے کہ آفتابوں کا اک سلسلہ تھا

حرمت الاکرام



چھپ کے صحیفوں کے پھولوں میں
فکر کی خوشبو (ڈالی ڈالی)
آپہنچی اس دورِ بلا تک ــــــ
نطق کا جادو تیرتا، بہتا
دنوں۔ مہینوں۔ برسوں۔ صدیوں
کی طوفان بھری لہروں پر
عصرِ رواں کے گھاٹ پہ اترا ــــــ
گونج اٹھی دنیائے تصور
(چونک اٹھے اربابِ بصیرت)
کیا کہنا! اُس جانِ سخن کا
کیا کہنا! اُس بُلبلِ فن کا

سازونوا کا خسروِ دوراں
شعروادب کا خسروِ اوّل
فن کا خسرو من کا خسرو
من کا خسرو من کا بندہ
اس کی غواصی تھی نرالی
من میں ڈوبا، تن کو ڈبویا
کعبہ کا متوالا — خسرو
کاشی کا رکھوالا — خسرو
سینے میں زمزم کا نشیمن
ماتھے پر گنگا کا بسیرا

دل کی گہرائی کا شاعر
انساں کی عظمت کا مغنّی
پریت کی پھلواری کا پپیہا
ڈھونڈتے ڈھونڈتے دیس پیا کا
پٹیالی سے دلّی پہنچا
دلّی کا دلدار بنا — پھر
دلّی کو دلدار بنایا

جانِ سخن نے — بلبلِ فن نے
اپنے تن کو — اپنے من کو
شعروں، غزلوں، راگنیوں میں
پارہ پارہ کر کے سمویا
(خاکِ نوا میں خود کو کھویا)
اہلِ نظر دامن پھیلاتے
گھوم رہے ہیں کوچہ کوچہ
لیکن کون سمیٹے اُس کو!
ابر کی صورت برسا ہے وہ
نگری نگری بکھرا ہے وہ

جگن ناتھ آزاد



السّلام اے شاعرِ روشن دل و روشن ضمیر
السّلام اے کاروانِ عشق و مستی کے امیر

اے امیرِ ملکِ معنی، خسروِ دنیائے شعر
تیرے سوزِ دل سے تاباں چہرۂ زیبائے شعر

تاجدارِ کشورِ الفاظ و اسلوب و بیاں
دل ترا گنجینۂ معنی ہے لب گوہر فشاں

سرزمینِ ہند کے اے نے نوازِ پاک زاد
آج بھی تیری غزل میں ہے نہاں دل کی کشاد

اے بہارِ رنگ و بوئے بوستاں تجھ پر سلام
اے وقارِ کشورِ ہندوستاں تجھ پر سلام

ذات تیری بہرِ دیں تھی مال و دولت کی حصول
"نعمٌ مال صالح" ہے گفتۂ پاکِ رسول

عام اہلِ زر سے اونچا تھا کہیں پایہ ترا
درحقیقت فقر کی دولت تھا سرمایہ ترا

فقر یعنی اک نگاہِ راہ بیں، اک زندہ دل ‏ روح آزادِ علائق، جسم اسیرِ آب و گل

فقر، یعنی مستیٔ کردار و تسلیم و رضا ‏ دوسرے الفاظ میں گویا متاعِ مصطفےٰ

بسکہ مبنی فقر ہی پر تھی تری تطہیرِ فکر

نور کا پیکر غزل میں ہے تری تعمیرِ فکر

آشنائے رازِ ہستی، واقفِ ہر خیر و شر ‏ دل کی دنیا ہے ترے افکار سے زیر و زبر

صبر کا شیشہ تری ضربِ سخن سے ریز ریز ‏ تیرے نغمے سے گریبانوں میں پیدا رستخیز

جب تڑپ اٹھتا ہے تیرے شعر پر جذبِ دروں ‏ کم نظر اس کو سمجھتے ہیں فقط جوشِ جنوں

فلسفے والے نہ سمجھیں گے کبھی یہ رازِ دل ‏ گوشِ ظاہر تک پہنچتی ہے کہاں آوازِ دل

خاکِ تیرہ کو سراپا نور کر دیتا ہے تو ‏ پردۂ انوار میں مستور کر دیتا ہے تو

رُوح یوں پاتی ہے تیرے فیض سے سوزِ دروں

مہر سے جس طرح پاتی ہے رگِ گل موجِ خوں

مولانا انور صابری



وہیں ملتا ہے تیری خاکِ مرقد ہے جہاں خسرو
نظام الدّین محبوبِ الٰہی کا نشاں خسرو
تمیزِ مسلم و ہندو جہاں باقی نہیں رہتی
محبّت کا وہ سنگم ہے تری اُردو زباں خسرو
جو خوابِ عظمت و اقبال دیکھا تھا کبھی تُو نے
اُسی کی اب نئی تعبیر ہے ہندوستاں خسرو
نظامی صابری سب ایک ہوتے ہیں جہاں آکر
بحمداللہ وہی ہے تیرا سنگ آستاں خسرو

مولانا انور صابری



نسبتِ سرورِ کونین ہے نسبت تیری
دلِ حیدر کی امانت ہے ولایت تیری

کھل گئی اہلِ بصیرت پہ حقیقت تیری
آئینہ ہے رُخِ محبوب کا صورت تیری

تیرا ہر قول بنا نعرۂ جمہورِ وطن
دُور تک دیکھتی رہتی تھی بصیرت تیری

کفر و ایماں کی کوئی قید نہیں ہے اس میں
عام ہے سب کی نگاہوں میں عقیدت تیری

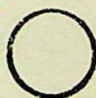
ہم نے پایا ہے مقامِ شرفِ قربِ نظام
باہمہ جذبۂ اخلاص بدولت تیری

ربطِ باہم ترے احساس کا مقصودِ حیات
آدمیّت سے مرکب ہے طریقت تیری

تو نے زنّار کو تسبیح کی عظمت بخشی
ہے ہمہ اوست کی تفسیر شریعت تیری

فرقہ بندی کی ہلاکت سے بچانے کے لئے
پھر نئے دور میں خسرو ہے ضرورت تیری

مخمور سعیدی



خسرو اک البیلا شاعر، جس کے روپ ہزار
کہیں سپاہی، کہیں وہ صوفی، کہیں وہ موسیقار

شاہی درباروں میں بیٹھے، درباری کہلائے
آکے فقیروں کی مجلس میں دل کی مرادیں پائے

من کی پیاس سے بے کل ہو کر پنگھٹ پنگھٹ گھومے
کوئی گگریا پھوٹ بہے تو لہر میں آکر جھومے

چھیڑے اپنے سازِ سخن پر ایسے شوخ ترانے
جن کی اک اک تان کے اندر دھڑکیں لاکھ زمانے

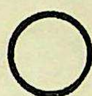
آئینۂ دوش و فردا بے لوث طبیعت اُس کی
کیا کچھ دیکھے اور دکھائے چشمِ بصیرت اُس کی

روح کو مالا مال بنائیں اس کی باتیں اس کے بول
اک اک لفظ احساس کی دولت اک اک حرف انمول

اس نے کتابِ دل کی لکھیں وہ بامعنی تفسیریں
صحیفۂ جاں اہلِ محبت کا اس کی تحریریں

امر رہا ہے اور رہے گا اُس کا نام و کلام
ثبت ہے لوحِ شام و سحر پر اُس کا نقشِ دوام

رفعت سروش



(۱)

جنگ، نفرت، خون، لاشیں، بربریت، الاماں
آدمیت لے رہی ہے ہچکیوں پر ہچکیاں
اور کچھ اونچا کریں نفرت کے اس ماحول میں
پرچم خسرو کہ جز ہے پرچم امن و اماں

(۲)

طوطیٔ ہندوستاں اے خسرو شیریں بیاں
ہیں ترے افکار میں اسرار وحدت کے نہاں
ہے ترے الفاظ کے دل میں معانی کا ہجوم
ہندی و اردو کا سنگم ہے تری پیاری زباں

ساحر بھوپالی



ہمیشہ دردِ محبت سے ہم کنار تھا تو — کچھ ایسا والہ و شیدائے حسنِ یار تھا تو

تجھے نوازا تھا حق نے ہر ایک نعمت سے — امیری میں بھی فقیری کا دعویدار تھا تو

سپاہی، صوفی و شاعر، ادیب اور نائک — کمالِ عشق میں یکتائے روزگار تھا تو

ہے تیری ذات پہ نازاں جو فنِ موسیقی — جہانِ علم و عمل کا بھی تاجدار تھا تو

تھا ایکتا ترا مقصد، ولیِ قوم تھا تو — وطن کے عشق میں کس درجہ بے قرار تھا تو

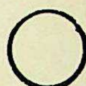
کسی کا دکھ ہو، ترے دل پہ تھا اثر اُس کا — ہر اک ستم زدہ انساں کا غم گسار تھا تو

جہاں سے نام کبھی تیرا مٹ نہیں سکتا — گذشتہ اہلِ محبّت کی یادگار تھا تو

اداشناسِ محبّت تھا دل ترا خسرو — جبھی تو واقفِ اسرارِ روزگار تھا تو

بیان اب ترے اوصاف کیا کرے ساحر
ہے مختصر یہ کہ قدرت کا شاہکار تھا تو

مشیر جھنجانوی



شارحِ سرِّ نہاں ہے خسرو
اہلِ باطن کی زباں ہے خسرو

کون کہتا ہے نہاں ہے خسرو
شعر و نغمہ سے عیاں ہے خسرو

کوئی کیا جانے کہاں ہے خسرو
ہم سمجھتے ہیں جہاں ہے خسرو

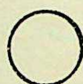
فکر کو اِک نئی صورت بخشی
بانیِ حُسنِ بیاں ہے خسرو

ربط ایسا کہ مٹاتے نہ مٹے
جسمِ اُردو ہے تو جاں ہے خسرو

بُت کدے میں تو ہے ناقوس کی لے
اور کعبے میں اذاں ہے خسرو

منزلِ عشق حقیقی کا مشیر
ایک تابندہ نشاں ہے خسرو

مشیر جھنجھانوی



شاعرِ شیریں بیاں، معجز رقم، صاحب نظر — خسروِ عالی مراتب، مرکزِ علم و ہنر

صوفیٔ محفل نشیں، درویشِ خلوت آشنا — سالکِ راہِ طریقت، حق پرست و حق نما

موجدِ سازِ طرب انگیز و رقّت آفریں — روح پرور، کیف زا یعنی ستارِ دلنشیں

سوز و سازِ زندگی کو تو نے بخشا ہے وقار — خسرو خسرو کی صدا دیتا ہے ابتک ہر ستار

فنِّ موسیقی کو تو نے کر دیا ہے لازوال — تیرے دم سے آجتک ہے رونقِ "بزمِ خیال"

یوں تو ہر پہلو سے حاصل تھا تجھے اعلیٰ مقام — عشقِ "محبوبِ الٰہی" نے مگر بخشا دوام

بیخودی میں بھی رہا پاس ادب کا تجھ کو ہوش — جذبۂ منصور سے دل آشنا تھا لب خموش

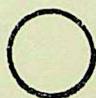
مشترک تہذیب کا آئینہ تھی تیری زباں — تیرے مسلک میں نہ تھا کچھ فرقِ ناقوس و اذاں

سبحہ و زنّار کے رشتوں کو یکجا کر دیا — پرچمِ انسانیت کو تو نے اونچا کر دیا

مصرعۂ حافظ پہ تھا تیرا عمل ہر صبح و شام

"با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام"

سیّد غلام سمنانی



تِرے ہی ذکر سے، یہ نظم و اہتمامِ سخن
تِرے ہی حرف سے، شیریں ہوا ہے کامِ سخن

سپہرِ شعر ہوا، تجھ سے مطلعِ انوار
تو شمعِ بزمِ سخن ہے، تو مہرِ بامِ سخن

کہا ہے ژرف شناسانِ شعر نے تجھ کو
خدیوِ مملکتِ شاعری، امامِ سخن

ترے خیال سے آرائشِ رخ و گیسو
تجھی سے صبحِ سخن ہے تجھی سے شامِ سخن

ہے تیرے ذکر سے معمور، محفلِ شیراز
بلند تجھ سے ہوا کس قدر، مقامِ سخن

کسی کا فیضِ نظر، ہے شریکِ حال ترا
ملی ہے تجھ کو جو یہ دولتِ دوامِ سخن

تری بہارِ سخن، گل فروشِ دشت و چمن
ہر اک دیار پہ برسا، ترا غمامِ سخن

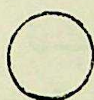
ہے تیری بزم میں، پاکوب، شاہدِ معنی
(ق) ہے تیرے قدموں میں، محبوبِ لالہ فامِ سخن

ہر ایک تار ہے سازِ سخن کا، زخمہ فریب
نہ اعتبارِ سخن ہے، نہ احترامِ سخن!

ہیں جرعہ خوار ترے کب سے تشنہ و محروم
نہیں ہے کوئی جو گردش میں لائے جامِ سخن

اُٹھ اور اپنے اس اعجازِ خسروی سے ذرا
درست، از سرِ نو، کر دے تو نظامِ سخن

نثار دہلوی



تو کہ فخرِ چشتیاں ہے صوفیٔ عالی مقام
سر جھکاتا ہوں ادب سے تجھ کو کرتا ہوں سلام

طوطیٔ شیریں مقالی طوطیٔ ہندوستاں
اس لقب سے جانتے ہیں تجھ کو سب خورد و کلاں

تو وہ سالک تھا کہ سوزِ عشق سے جلتا رہے
اپنی آنکھیں پیر کے تلووں سے تو ملتا رہے

کی دو طرفہ مار ایسی عشق کے اس تیر نے
اپنے پہلو میں جگہ دی تجھ کو تیرے پیر نے

وہ ذہانت تھی طبیعت میں نہیں جس کی مثال
تجھ سا صدیوں میں نہ پیدا ہو سکا صاحبِ کمال

شاعرِ رنگیں بیاں تھا اور موسیقار تھا
جس کی گھٹی میں پڑا تھا فن تو وہ فنکار تھا

شہرۂ آفاق ہو تو یہ تیرا مقوم تھا
خود ادب خادم تھا تیرا اور تو مخدوم تھا

طبع کی جدّت سے راگ اور راگنی پیدا کئے
اور بہرِ خوش گلویاں ساز بھی پیدا کئے

مستند اہلِ زباں میں فارسی کا ہے کلام
اور ہندی والے تجھ کو یاد رکھیں گے مدام

وہ پہیلی اور مُکرنی تیرے دوہے تیرے گیت
آج بھی سکھلا رہے ہیں پریت کی دنیا کو ریت

فارسی ہندی کا تو نے کچھ ملایا ایسا میل
پڑ گئی اس ملک میں اردو زباں کی داغ بیل

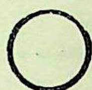
تو تھا ایک درویش کامل عابد شب زندہ دار
اپنی صحبت میں مگر رکھتے تھے تجھ کو تاجدار

ہے زباں قاصر تیرے اوصاف ہوں کیونکر بیاں
ہو ادا حق ثنا خوانی میری ہمّت کہاں

رہتی دنیا تک رہے گا نام لافانی ہے تو
الغرض یہ قولِ فیصل ہے کہ لاثانی ہے تو

از سرِ نو تا چراغ آرزو روشن شود
لُطف کُن بر ما کہ ایں صحرائے دل گلشن شود

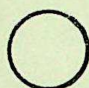
گلزار دہلوی



فخرِ ہندوستان تھے خسرو — ہند کے ترجمان تھے خسرو
رُوحِ جمہوریت سمجھتے تھے — کُل وطن کی زبان تھے خسرو
شہہ نشینوں میں خانقاہوں میں — باعثِ عزّ و شان تھے خسرو
وقت کی ہولناک ظلمت میں — زندگی کا نشان تھے خسرو
بات ہے یہ بیان سے باہر — کس قدر خوش بیان تھے خسرو
کافرِ عشقِ کعبۂ سُنّت — بُت کدے میں اذان تھے خسرو
شیرِ ہندی میں تھی شکر اُردو — کتنے شیریں زبان تھے خسرو
شیخ و پنڈت سبھی ہیں شیدائی — شیخ و پنڈت کی جان تھے خسرو
کلمہ گویوں کی شان تھی انسے — فنِّ آذر کی آن تھے خسرو
تھے خدا و رسولؐ سے نزدیک — حاضرِ لامکان تھے خسرو
خواجۂ راستین کے عاشق — فقر کا امتحان تھے خسرو

رُوحِ گلزارِ دین و دنیا تھے
رونقِ دو جہان تھے خسرو

گلزار دہلوی



وطن میں صبحِ بنارس رواجِ خسرو کا
مسیحا دم ہے زمن میں علاجِ خسرو کا

جہاں کی ظلمتِ غم میں ہوائے طوفاں میں
جنوں کے فضل سے ہادی سراجِ خسرو کا

خرد کے رقصِ جنوں کی اُمنگ کا حاصل
زبانِ عشق کا سنگم مزاجِ خسرو کا

روایتیں ہوں کہ جدّت صراطِ الفت ہے
رُسومِ ہند میں تُرکی رواجِ خسرو کا

کبھی ہوا نہ تھا معقولِ اختلاطِ علوم
زمانہ جتنا کہ قائل ہے آج خسرو کا

ہجومِ خاص میں ممتاز کج کلاہی سے
دلِ عوام پہ قائم ہے راج خسرو کا

زبانِ ہندی و اُردو کا بانی و آقا
سریرِ تُرکی و فارس پہ تاج خسرو کا

دلوں کو جوڑنا الفت سے کام ہے اُس کا
حدیثِ دل کی اشاعت ہے کاج خسرو کا

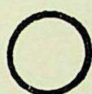
وہ عاشقِ درِ مرشد فدائے سلطانیؒ
شہی و فقر میں تھا امتزاج خسرو کا

جہانِ علم پہ ہیں اُس کے جسقدر احساں
ادا وطن سے نہ ہوگا خراج خسرو کا

وفاقِ سیّد و پنڈت کے فیضِ عرفاں سے
ہے چار و آنگ میں روشن سراج خسرو کا

خدا کا شکر ہے گلزار دہلوی کا وجود
ز فرق تا بہ قدم ہے، مزاج خسرو کا

کرشن موہن

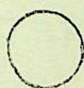


پہیلیوں کا رچیتا وہ زندہ دل شاعر
سہیلیوں کا چہیتا وہ عشق کا کافر
جو کہ مکرنیوں اور چٹکلوں کا تھا رسیا
وہ میت گیتوں کا اہلِ وفا کا من بسیا
وہ نغمہ سنجِ عظیم و شہیر، وہ فاضل
مُرید پہنچے ہوتے پیر کا، خدا مائل
وہ مردِ مستانہ

خیال و آیمن و قول و ترانہ، قلبانہ
اسی کی دین ہیں سنگیت کو، اُسی نے تو
(وہ اجتہادِ سراپا تھا نابغہ خسرو)
ستار کو وہ رسیلا، انوپ رُوپ دیا
کہ جس نے اپنے سُروں سے دِلوں کو موہ لیا

کئی زبانوں کا ماہر تھا رہبرِ کامل
فریدِ عصر تھا، سرشار عالِم و عامل
وہ فارسی کا سخن ور، کوی تھا ہندی کا
وہ ترکی و عربی، سنسکرت کا بھی شیدا
اُسے عزیز تھی پنجابی اور سندھی بھی!
کہی اُسی نے غزل سب سے پہلے اُردو کی
کہ جدّت و نُدرت
صفت تھی اُس کے شعورِ ہزار پہلو کی
وہ اتّحادِ مذاہب کا شوخ پیغمبر
تھا بیکسوں کا حبیب لبیب، ژرف نظر
حق آشنا تھا بشر دوستی کا موسیقار
عطا و جُود کا پیکر، غنا کا شاہسوار
غُبارِ راہ سمجھتا تھا مال و دولت کو
وطن پرست فقیر امیر دل خسرو
امیر ایسے ہی، دھرتی کا غم بٹاتے ہیں
فقیر ایسے تو صدیوں کے بعد آتے ہیں

کرشن موہن



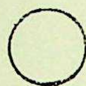
میں تری فرقت میں تھا محوِ فغاں
آج تیرے سامنے ہوں بے زباں

ہم ہیں زندہ اپنے دلبر کے لئے
نذر کرتے ہیں اُسے ہم اپنی جاں

جب سے اپنا دوست پہلو میں نہیں
بے خبر ہیں خود سے ہم بیچارگاں

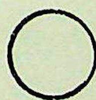
دِلستاں کو دے کے دل خسرو ہے شاد
دل کے بدلے میں نہیں یوسف گراں

علی احمد جلیلی



محسنِ اعظم، امیرِ کارواں
جامعِ فضل و کمالات، ایک ادارہ ایک فرد
مجتہد، موجد، ادیب
صوفی و درویش و عالم، ماہرِ موسیقی و علمِ نجوم
خسرو اقلیمِ شعر و شاعری
میر و غالب کی زباں کی جس نے ڈالی داغ بیل
برج بھاشا میں سمو کر فارسی کی چاشنی
دے دیا اک خوبصورت امتزاج
آج کی اردو کا پہلا رنگ روپ
اس کے اصنافِ سخن
چیستاں، دوہے، پہیلی اور گیت
آج بھی مقبول خاص و عام ہیں آج کی اردو
اُسی کی دین، صدقہ ہے اسی کی ذات کا
محسنِ اعظم، امیرِ کارواں

بشیرالنساء بیگم بشیرؔ



اے عندلیبِ خوش نوا پروانۂ نظامِ دیں
روحانیت نواز ہے تیرا کلامِ دل نشیں
سلسلۂ نظامیہ ہے داستانِ خسروی

مردِ حقیقت آشنا تھا آستان پہ بارگماں
اور وارداتِ قلب تھے شیخِ طریق پر عیاں
کس درجہ ناز آفریں تھا امتحانِ خسروی

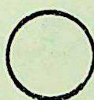
دل ایک ہی نگاہ میں محرمِ راز بن گیا
اور اک کبوترِ حزیں دم بھر میں باز بن گیا
عشق کی ایک جست میں بدلا جہانِ خسروی

درویشِ بے مثال تو شاعر بے نظیر تو
نازشِ خانقاہ تو نور نگاہِ پیر تو
فقر کی آن بان پر قائم ہے شانِ خسروی

ہندوستان و پارس کو شیر و شکر بنا دیا
سب کی زبان سے تو نے اک جادو نیا جگا دیا
اُردو زبان کی جان ہے اب تک زبانِ خسروی

فرما رہا ہے پیر ہی شان میں یہ مرید کی
من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
محبوب حق کی جان تھی لاریب جانِ خسروی

ظہیر احمد صدیقی



طوطیٔ ہندوستاں اے خسرو عالی مقام
تجھ کو اہلِ ہند کے حسنِ عقیدت کا سلام

عزت و اکرام تھے تیری جلو میں صف بہ صف
تجھ کو حاصل تھا محمدؐ کی غلامی کا شرف

خواجۂ اجمیر کے جلووں کا آئینہ تھا تو
جاودانی علمِ روحانی کا گنجینہ تھا تو

خاک کو اکسیر کر دیتی تھی تیری اک نظر
تیرا دل داتا کے گنجِ فیض سے تھا بہرہ ور

حلقۂ محبوب میں تھا کون تجھ سا سرفراز
کون تھا ایسا کہ بندہ ہو کے تھا بندہ نواز

زندگی میں کس کو یہ توقیر یہ خوبی ملی
اور کس کو بزمِ محبوبی میں محبوبی ملی

گوشہ گوشہ فیض کے انوار سے معمور تھا
دل نہیں تھا تیرے سینے میں چراغِ طور تھا

گلستانِ عشق کو دل کا لہو تو نے دیا
آدمی کو سوز و ساز آرزو تو نے دیا

ساری دنیا سے انوکھی نے نوازی تھی تری
راگ تھے ہندوستاں کے لے حجازی تھی تری

خدمت انسانیت تھی بندگی تیرے لئے
ایک تھی دیر و حرم کی روشنی تیرے لئے

فکر تیری فکر نو کا نقطۂ آغاز ہے
ذات پر تیری تیرے ہندوستاں کو ناز ہے

ذہنِ انساں کو نئی آب و ہوا تجھ سے ملی
رام و گوتم کے ترانوں کو نوا تجھ سے ملی

تھی ترے زیب گلو تسبیح بھی زنار بھی
تیری بزمِ نور میں کافر بھی تھے دیندار بھی

ہر گھڑی تو حال میں اپنے رہا کرتا تھا مست
کیا ہوا کہتی تھی گر دنیا کہ تو ہے بت پرست

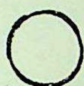
آدمیت تیرا مشرب دوستی تیرا پیام
با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

محترم تیرے لئے گیتا بھی اور قرآن بھی
کافر عشق و وفا بھی صاحبِ ایمان بھی

تیرا شیوہ کینہ و بغض و تعصب سے جہاد
تیرا مسلک اتحاد و اتحاد و اتحاد

تو امر ہے حشر تک زندہ رہے گا تیرا نام
تجھ کو اہلِ ہند کے حسنِ عقیدت کا سلام
طوطیٔ ہندوستاں اے خسرو عالی مقام

مظفر الدین خان صاحب



(۱)

اے ہند کی اقلیم سخن کے مختار — حافظ نے کئے تجھے حفظ تیرے اشعار
تو طوطیٔ ہند ہے امیرِ خسرو — آتی ہے ترے نام سے گلشن میں بہار

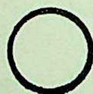
(۲)

تو ہند میں ہے ملکِ سخن کا بانی — ہے زیب تجھے خسروی و سلطانی
ایران میں سکّے کا چلن ہے تیرے — تھا تیرا لقب مہد میں بھی خاقانی

(۳)

ہے عشق ترے خاتمِ ہستی کا نگین — دیپک کی طرح سانس ہے آتش آگیں
تو شیخ میں اس طرح فنا ہے خسرو — ہیں تجھ میں فنا جیسے نظام حق بیں

رام کرشن مضطر



جہاں میں نام ہے خواجہ امیر خسرو کا
کہ فیض عام ہے خواجہ امیر خسرو کا

ہر ایک شعر ہے آئینۂ رُخِ محبوب
حسیں کلام ہے خواجہ امیر خسرو کا

ہے اتّحاد و محبّت ہی دھرم اور ایمان
یہی پیام ہے خواجہ امیر خسرو کا

جُھکی ہے دَر پہ جبینِ نیاز اے مضطر
یہ احترام ہے خواجہ امیر خسرو کا

جاوید وششٹ



طوطیِ ہند کے ترانوں سے گونجتی تھی فضائے گنگ و جمن

ہند و فارسی کے سنگم پر

اُس نے کیا کیا دُھنیں تراشی تھیں

"قول و قلبانہ" راگنی اور گیت

اک نئے رنگ میں سموئے تھے

ساز سنگیت میں سنجوئے تھے

بین کو اُس نے مختصر کر کے

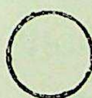
اک رنگیں "ستار" چھیڑا تھا

ہند کے دل کا تار چھیڑا تھا

سات صدیوں کے بعد بھی ہر سو نغمگی ہے ہوا کے جھونکوں میں
طوطیِ ہند کے ترانوں کی!

موجدِ "ریختہ" کا کیا کہنا
اُس کا اندازِ شعر البیلا
طبعِ جدّت طراز نے اُس کی شاعری میں بھی اختراعیں کیں
"کہہ مکرنی" "ڈھکوسلے" "انمل"
کتنے اصناف کو سنوار دیا
جدّت و طرفگی کو عام کیا
میرِ مجلس، امیرِ موسیقی!
خسروِ ملکِ شاعری بھی تھا
جانِ "محبوبِ اولیاء" بھی تھا!
طوطیِ ہند کا جواب نہیں
یہ حقیقت ہے کوئی خواب نہیں

بیکل اُتساہی



دن ہے سہانا چھیل چھبیلا رات بڑی البیلی ہے
لیکن تجھ بِن یہ موسم بھی جیسے ٹھگوں کی حویلی ہے

دور رہے تو ہر اک لمحہ بیتی صدی سا لگتا تھا
پاس ہوئے تو ہر اک دھڑکن دلہن نئی نویلی ہے

کچّی نیند جگا جاتی ہے رات میں ساون بھادوں کی
الھڑ چوٹوں کی پروائی کتنی شوخ سہیلی ہے

ان دونوں کی ایک ہی ماں ہے دو قالب ہیں ایک ہی جاں ہے
پھر بھی اردو کو ہندی کی لوگ کہیں سوتیلی ہے

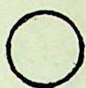
میری زباں ہر دل کی زباں ہے کومل کومل حسن بیاں ہے
برسوں تک یہ تو خسرو کی انگنائی میں کھیلی ہے

آگئیں یاد کٹھور کی بتیاں برسے نین دھڑک گئیں چھتیاں
پردیسی اب بھیج دے پتیاں برہن آج اکیلی ہے

کون ہے کس کا میت نہ پوچھو یہ بھی جگت کی ریت نہ پوچھو
اپنوں سے پردہ ہے لیکن غیروں سے اٹھکیلی ہے

ہر پہلو اک زخم اگائے ہر کروٹ مرہم بن جائے
بیکل بوجھ سکو تو بوجھو عشق بھی ایک پہیلی ہے

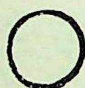
ظہیر غازیپوری



یہی علامتِ عزّ و وقارِ خسرو ہے — کہ ہر نگارشِ فن شاہکارِ خسرو ہے
غزل بھی نعت بھی دوہا بھی گیت بھی اب تک — دیارِ ہند میں آئینہ دارِ خسرو ہے
وسیلۂ نغمہ و فکر ہے زمانے میں — ادب کدے میں جو نقش و نگارِ خسرو ہے
صدا و صوت کا کوچہ رباب و چنگ کا گھر — طلسم زار، بشوق و شعارِ خسرو ہے
غزل کی صنف ہو یا ہو پہیلیوں کی نمود — دیارِ شعر میں اک یادگارِ خسرو ہے
خلیج صدیوں کی حائل ہے درمیاں میں مگر — دلوں میں اب بھی وہی افتخارِ خسرو ہے
ہر ایک لفظ میں پیغام حق ہے پوشیدہ — نیاز مندِ خرد، کاروبارِ خسرو ہے
جہاں چھلک پڑا عرفان و آگہی کا جام — وہ بت کدہ حرمِ اعتبارِ خسرو ہے
وطن کے عشق سے عرفانِ ذات تک دیکھا — بہت بسیط حدِ اختیارِ خسرو ہے
خدا رسیدہ بزرگوں کی بات جب آئے — تو فرد فرد یہاں اشک بارِ خسرو ہے
زبان و فکر و نظریات ہیں الگ تو کیا — ہر ایک شخص یہاں جاں نثارِ خسرو ہے
نظامِ جبر سے جمہوریت کی قدروں تک — ادا شناسِ زمانہ۔ دیارِ خسرو ہے
ہزار فن و ادب کی بڑھی ہو ناقدری — جو اہلِ فکر و نظر ہے وہ یارِ خسرو ہے
اجڑ اجڑ کے بسی ہے جو بارھا دلی — وہیں امانتِ مشتِ غبارِ خسرو ہے

گناہ گارِ ادب لوگ جس کو کہتے ہیں
وہی ظہیرِ حزیں رازدارِ خسرو ہے

حفیظ بنارسی



طوطیِ ہندوستاں ہے خسروِ شیریں زباں
تاجدارِ شاعراں ہے خسروِ شیریں زباں

علم و فن کا رازداں ہے خسروِ شیریں زباں
اک جہاں اندر جہاں ہے خسروِ شیریں زباں

قبلۂ روشن دِلاں ہے خسروِ شیریں زباں
کعبۂ دیدہ وراں ہے خسروِ شیریں زباں

"خلق می گوید کہ خسرو بُت پرستی می کند"
جبکہ خود ایماں کی جاں ہے خسروِ شیریں زباں

جس کو دُہرائے گی دنیا انجمن در انجمن
عشق کی وہ داستاں ہے خسروِ شیریں زباں

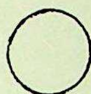
آشنائے کیف و مستی، محرمِ حُسن و جمال
صدرِ بزمِ دلبراں ہے خسروِ شیریں زباں

اتحاد و اتفاقِ باہمی اُس کا پیام
صلحِ کل کا ترجماں ہے خسروِ شیریں زباں

ہندو و مسلم ہیں دونوں اس کی زلفوں کے اسیر
فخرِ ناقوس و اذاں ہے خسروِ شیریں زباں

اسکی بخشش کا بہانہ ہے حفیظ اس کا کلام
مصطفےٰ کا مدح خواں ہے خسروِ شیریں زباں

عزیز وارثی



یوں تو ہیں لاکھوں حسین، الفت کے قابل ایک ہے
چار جانب ہیں شعاعیں ماہ کامل ایک ہے
قیس ہو، فرہاد ہو، وامق ہو یا محمود ہو
ہیں نگاہیں مختلف لیلائے محمل ایک ہے

بصیرت آفریں یہ سر زمیں ہے
یہاں کا ذرّہ ذرّہ دل نشیں ہے
یہی ہے حضرتِ خسرو کی محفل
یہاں تفریقِ کفر و دیں نہیں ہے

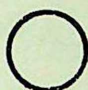
نہ دل کا اور نہ دل کی عافیت کا ذکر ہوتا ہے
یہاں محبوب کی محبوبیت کا ذکر ہوتا ہے
یہاں روح الامیں کی روح کو تسکین ملتی ہے
بہر عالم یہاں روحانیت کا ذکر ہوتا ہے

یہ کعبہ ہے کلیسا ہے نہ مسجد ہے نہ بت خانہ
یہاں ہر ایک سالک ہے یہاں مسلک ہے زندانہ
یہاں ہر دور ہیں سب کو بقدر ظرف ملتی ہے
یہاں شیشہ ہے ساغر ہے صراحی ہے نہ پیمانہ

یہ جگہ وہ ہے کہ مشرب کی کوئی قید نہیں
کوئی جذبہ ہو تخیّل ہو مگر صید نہیں
سب برابر ہیں یہاں سب کا برابر حق ہے
کوئی راجہ نہیں رانا نہیں جمشید نہیں

عروس نظم کے گیسو سنوارنے والے
شباب و شعر کے جلوے نکھارنے والے
ترے نقوشِ تخیّل ہیں زندۂ جاوید
مرے نقوشِ تخیل ابھارنے والے

کامل قریشی



محرومِ مئے حق ہے اس دَور کا میخانہ
یا خواجہ خسرو تو بھر دے مرا پیمانہ
اللہ رے تری خسرو وہ چشمِ کلیمانہ
بُت خانہ ہوا کعبہ، کعبہ ہوا بُت خانہ
اللہ رے اسرار و اندازِ حکیمانہ
ظاہر ہیں تو شاہانہ، باطن میں فقیرانہ
بے نُور ہے مدّت سے دل کا مرے کاشانہ
ہاں اب تو نظر آجائے جلوۂ جانانہ
وہ جامِ حقیقت دے اے خسرو مستانہ
میں پی کے پکار اٹھوں، دیوانہ ہوں دیوانہ

انداز ترا خسرو ہر رنگ میں شاہانہ
گفتار حکیمانہ، کردار کریمانہ

تُو پیکرِ رُوحانی، اک چشمۂ عرفانی
گنجینۂ علم و فن، اک شاعرِ فرزانہ

آ مجھ میں سما جا تُو، میں تجھ میں سما جاؤں
تو شمعِ حقیقت ہے، میں ہوں ترا پروانہ

محفل میں تری خسرو مجذوب بھی سالک ہے
دیوانہ جو تیرا ہے، فرزانہ ہے فرزانہ

دے شیخ و برہمن کو سرمستیِ رُوحانی
بے کیف ہے پیمانہ، بے رنگ ہے میخانہ

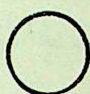
تُو صاحبِ قسمت ہے، تو صاحبِ عظمت ہے
حاصل ہے تجھے وصلِ سنگِ درِ جانانہ

محبوبِ الٰہیؒ کے محبوب، خدا شاہد
روشن ہے ترے دم سے دُنیا کا سیہ خانہ

مجھ کو بھی حقیقت کے انوار سے پُر کر دے
تُو نُورِ تجلّی ہے، میں ظلمتِ ویرانہ

کچھ پاس نہیں میرے کیا نذر کروں تیری
گلہائے عقیدت کا لایا ہوں میں نذرانہ

صغیر احمد صوفی

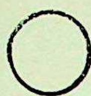


تجلّیِ نورِ ایمان جلوۂ بے داغ ہے خسرو
خدا کے فیض کا در ہے ترے بازار ہے خسرو
گدا ہو، شاہ ہو، سب پر ترا فیضان یکساں ہے
جہاں والوں کے حق میں بارشِ انوار ہے خسرو

تقدس کی ضیاء ہے منبعِ الہام ہے خسرو
خدا کا عرش سے بھیجا ہوا پیغام ہے خسرو
اگر چشمِ بصیرت ہو تو پھر یہ راز افشاء ہے
حقیقت میں علاجِ گردشِ ایام ہے خسرو

خوشا یہ شب نچھاور ہے ترے در پر سب کا تن من ہے
عقیدت کے چراغوں کی نظر بھی سوئے مدفن ہے
معطر ہے فضا یہ کس کا ذکرِ خیر ہے صوفی
کہ ایسے وقت میں روحانیت کی شمع روشن ہے

صغیر احمد صوفی



فنکار تھا، حاصل تھی، ہر فن سے شناسائی
قدموں میں رہی اُس کے ہر منزلِ دانائی

وہ بزمِ شریعت ہو، یا بزم طریقت ہو،
ہر حال نمایاں تھی اُس شخص کی گیرائی

اک عاشقِ صادق تھا اک رہبر کامل تھا
وہ مرد قلندر تھا، ہر علم کا شیدائی

ہندو ہو، مسلماں ہو کس دل میں نہیں گونجی
اس ہند کے طوطی کی آواز کی شہنائی

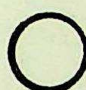
اشعار سے پھیلایا پیغام محبّت کا
موسیقی کے نغموں سے کی انجمن آرائی

دنیا سے گئے اُس کو یوں سات صدی گذری
باقی ہے مگر اب تک اُس کی وہی رعنائی

یہ عشقِ حقیقی کا اعجاز ہے، خسرو نے
محبوب الٰہی کے قدموں میں جگہ پائی

اشعار نے خسرو کے عقدے کئے حل کیا کیا
جب بھی کبھی صوفی پر دشوار گھڑی آئی

درشن سنگھ دُگّل



خُسروِ دانا! کوئی تجھ سا کہاں فرزانہ تھا
تو خدا سے آشنا تھا، آپ سے بیگانہ تھا

دل کو چین آتا نہ محبوبِ الٰہی کے بغیر
شمع تھی حُبِّ نظامی اور تو پروانہ تھا

بے ستونِ شعر و علم و آگہی کے کوہکن
لیلیٰ فکر و شعور و فن کا تو دیوانہ تھا

تھی تجھے عشقِ جنوں آگیں کی مے خواری پسند
اور درگاہِ نظام الدّین ترا میخانہ تھا

با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام
دُھن تری مستانہ تھی مسلک ترا رندانہ تھا

روحِ مذہب پر نظر تھی یعنی انساں دوستی
امتیازِ مذہب و ملّت سے تو بیگانہ تھا

تیرے افکارِ نشاطِ انگیز سے ظاہر ہوا
دل ترا اخلاص کا چھلکا ہوا پیمانہ تھا

تھی کوئی دنیا سے دلچسپی تو ذاتِ دوست تھی
ورنہ عالم دیدۂ حق بیں میں اِک ویرانہ تھا

تُو نے پی صہبائے عرفاں ہر تجلّی گاہ سے
ایک ہی ساقی تھا جو میخانہ در میخانہ تھا

سر ہمیشہ دل کے دروازے پہ خم پایا گیا
تیرا سجدہ بے نیازِ کعبہ و بت خانہ تھا

اپنے پہلو میں لٹایا اُس نے زیرِ خاک بھی
جس کا تُو مہمان تھا، جو ترا صاحبِ خانہ تھا

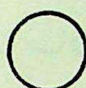
آج صوفی سنت بیٹھے ہیں جو تیری بزم میں
میں نے دیکھا اِن کے لب پر تیرا ہی افسانہ تھا

اِن کے سینوں میں بھی روشن ہے وہ عشقِ جانفزا
دل ترا جس عشق کا نُور آفریں کاشانہ تھا

یہ بھی اہلِ درد رکھتے ہیں محبّت کی تلاش
جس محبّت کے لئے تُو عمر بھر دیوانہ تھا

ہم نے اے درشن محبّت کے سوا آفاق میں
"خواب تھا جو کچھ بھی دیکھا جو سُنا افسانہ تھا"

درشن سنگھ دگل



(۱)

ہُنر کا آئینہ خسرو، سخن کا رازداں خسرو
علوم معنی و دانش کا مہر ضو فشاں خسرو
وہ عالم بھی، وہ موسیقار بھی، صوفی بھی، شاعر بھی
سخن سنجانِ بھارت کا امیرِ کارواں خسرو

(۲)

علم و دانش کا آفتاب تھا وہ
شعر و حکمت میں لاجواب تھا وہ
تھا تو درویشِ خرقہ پوش مگر
خسروِ آسماں جناب تھا وہ

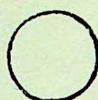
(۳)

شاعرِ کامل بھی تھا وہ اور موسیقار بھی
مردِ میدانِ عمل بھی، صوفی بیدار بھی
ڈال دی خسرو نے بھارت میں بنائے اتحاد
اس لئے کہتے ہیں اُس کو عاشقِ دلدار بھی

(۴)

میر خسرو، عاشقِ حضرت نظام رح
سربسر ہے معرفت جس کا کلام
ہند کا ہر فرد مل جُل کر رہے
تھا یہی اُس عاشقِ حق کا پیام

برہان برنی



امیرِ قافلۂ دل ہے تو مرے خسرو
گدازِ عشق کی منزل ہے تو مرے خسرو

حدیثِ روحِ محبّت ہیں تیرے فرمودات
خود آگہی و خودی کا جہان تیری ذات

ہر ایک قول ترا قولِ خسروانہ ہے
تری حیات کی تفسیر یہ زمانہ ہے

بہارِ تازہ عبارت ترے چمن سے ہے
جمالِ خود نگری تیری انجمن سے ہے

نوراز عشق بھی تھا حاصلِ محبّت تھا
تری نواؤں میں آہنگ سازِ فطرت تھا

نشانِ راہِ محبّت ترے بلند افکار
تجھی سے آج بھی قائم ہے شعر و فن کا وقار

جہاں میں آج بھی جاری ہے فیض عام ترا
رہے گا تا بہ ابد اس جہاں میں نام ترا

رشی پٹیالوی



عالمِ شعر و ادب میں یوں تو ہے — ہر کسی کا اپنا رنگ، اپنا مقام
اپنا انداز، اپنا ڈھب، اپنی ادا — اپنا فن، اپنا سخن، اپنا کلام
ہاں! مگر اُن کا کوئی ثانی نہیں — یاد رکھّے جائیں گے دو چار نام
میرؔ آتشؔ غالبؔ و خسروؔ، ولیؔ — آیتِ تسخیر تھا جن کا کلام
اُن میں بھی جو مرتبہ خسروؔ کا ہے — برتری میں وہ رہے گا لاجواب
یوں درخشندہ رہے گا حشر تک — جس طرح تاروں کی صف میں ماہتاب
در فصاحت، در بلاغت در بیاں — بزمِ فکر و فن پہ ہے چھایا ہوا
آج تک، صدیاں گذر جانے پہ بھی — مستند ہے اُس کا فرمایا ہوا

لاکھ پنپے وسعتِ علم و ادب　　لاکھ ہو کوئی سلاست کا امیں
جو کہا اُس نے زبانِ عام میں　　اُس کی عظمت کا بدل ممکن نہیں
عرش پیما اس کی فکرِ نکتہ رس　　حُسنِ معنی خوش بیانی سے عیاں
عامیانہ طرزِ نو، اسلوبِ نو　　نقشِ صوری تر زبانی میں نہاں
ٹھمریوں، پڑوں، دو سخنوں کا دھنی　　ابتدًا خسروِ سلطانی تھا وہ
شہرۂ نظم اُس کا تھا ایران تک　　ہند میں خاقانیِ ثانی تھا وہ
اُس کے فرموداتِ حق و آگہی　　ہیں زباں زد آج بھی بہرِ سخن
تھا وہ نبّاضِ مزاجِ زندگی　　اُس کا چرچا انجمن در انجمن
خدمتِ علم و ادب کے ساتھ ساتھ　　غرقِ عرفان و عبادت بھی رہا
وہ علم بردارِ آئینِ وفا　　شاہدِ حقّ و حقیقت بھی رہا
اُس کا مذہب، مذہب انسانیت　　آگہی اُس کی حقیقت آشنا
اُس کی تعلیم اتحاد و اشتراک　　اِک معلّم بھی تھا وہ شاعر بھی تھا
موصفات اِک ذات میں مرکوز تھیں　　دل کا بھی تھا، نام کا بھی تھا امیر
حاملِ سرمایۂ علم و ہنر　　پھر بھی تھا وہ سو فقیروں کا فقیر
ایک رشتے میں پرونے کے لیے　　دِلّی و لاہور و مُلتان و دکن
زندگی بھر وہ عمل پیرا رہا　　بر بنائے اِرتقائے علم و فن
گفتگوئے فکر و فن ہوگی جہاں　　نام خسرو کا زباں پر آئے گا

باعثِ توقیرِ یادِ رفتگاں
نام یہ عہد آفریں کہلائے گا

بدیع الزماں خاور

مرا وطن، مری دھرتی کی ایک جنّت ہے
یہاں کی آب و ہوا خوش گوار ہے کتنی!
یہاں کے سبزہ و گُل میں بھی کیا لطافت ہے
مرے وطن میں ہے جو شے، وہ خوبصورت ہے
مرا وطن مری دھرتی کی ایک جنّت ہے

یہی تو ہے وہ زمیں، سات سَو برس پہلے
کیا تھا جس کی فضاؤں سے پیار، خسروؔ نے
یہی تو ہے وہ زمیں، سات سَو برس پہلے
کئے تھے جس پہ دل و جاں نثار، خسروؔ نے

یہی زمیں ہے جہاں سات سَو برس پہلے
مِری زبان کے اِک بے مِثال شاعِر نے
مِری زبان میں زورِ قلم دکھایا تھا
مِری زمین کی عظمت کا راگ گایا تھا

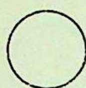
یہی زمیں ہے جہاں، سات سَو برس پہلے
مِری زبان کا معمار اپنے گیتوں میں
مِری زمین کی فصلوں کا ذکر کرتا تھا
مِری زمین کی صُبحوں کا ذکر کرتا تھا
مِری زمین کی شاموں کا ذکر کرتا تھا
مِری زمین کے باغوں کا ذکر کرتا تھا
مِری زمین کے پھُولوں کا ذِکر کرتا تھا

مِرے چمن کا وہ طوطی تو، اب نہیں ہے مگر
جو اُس نے چھوڑی ہے وہ یادگار باقی ہے
مِرے وطن کا وہ گایک تو، اب نہیں ہے مگر
وہ چھیڑتا تھا جسے، وہ سِتار باقی ہے

یہی ستار، مری قیمتی امانت ہے
یہی ستار، مری لازوال دولت ہے
یہی ستار مری شان، میری شوکت ہے
نہیں ہے ساز کوئی
اس ستار سے بڑھ کر
ہیں اس کے تاروں میں پوشیدہ، پیار کے نغمے
ہیں اس کے تاروں میں پنہاں بہار کے نغمے

یہی ستار مجھے آج پھر اٹھانے دو
کہ سن لیں مشرق و مغرب پیام خسرو کا
یہی ستار مجھے جھوم کر بجانے دو
کہ گونج اٹھے زمانے میں نام خسرو کا
اسی ستار پہ وہ راگ مجھ کو گانے دو
کہ جن سے نوعِ بشر سیکھ لے رواداری
کرے نہ کوئی کسی کی یہاں دل آزاری

قمر جلال آبادی



مقام اس کا فرازِ آسماں تھا / کہ خسرو خسرو اہلِ بیاں تھا

کبھی انگلی ستارِ جانفزا پر / کبھی شعر و سخن کا رازداں تھا

کبھی تھا سوزِ سارنگی سے مسحور / کبھی ڈھولک پہ ہاتھ اس کا رواں تھا

پکھاوج سے کبھی کرتا تھا باتیں / کبھی شہنائی سے نغمہ فشاں تھا

کبھی تھا رقص کی محفل میں موجود / کبھی نورِ دلِ روحانیاں تھا

عجب تھی قوتِ ایجاد اس کی / ہر اک فن میں وہ یکتائے زماں تھا

جہاں سجدے کئے اس کی جبیں نے / نظام الدیں کا وہ آستاں تھا

اب اس سے بڑھ کے کیا تعریف ہوگی / کہ سعدی سا سخن ور قدرداں تھا

زبان ہندوی اس نے سنواری / وہ اک ایسا عظیم اہلِ زباں تھا

جو گوری سوئی مکھ پر کیس ڈالے / ہوا تاریک خسرو کا جہاں تھا

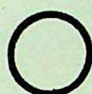
فراقِ پیر میں دم اس نے توڑا / وہی لمحہ وصالِ جاوداں تھا

عدیم المثل تھی تاریخ وصلش / جہاں میں اس کا ثانی ہی کہاں تھا

نہ کیوں اس کو کہیں ہم طوطئ ہند

وہ پہلا شاعرِ اردو زباں تھا

خضرِ برنی



سراپا شوق بن جائے سلامی ہو تو ایسی ہو
اٹھائے بھی نہ اٹھے سر غلامی ہو تو ایسی ہو

بنے محبوب، محبوب الٰہی کے شرف دیکھو
محبت ایک در سے اور دوامی ہو تو ایسی ہو

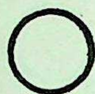
فقیری پر امیری کو کیا قربان خسرو نے
گداتی کی عطا ہے شادکامی ہو تو ایسی ہو

فرشتے رشک کرتے ہیں بشر کی کیا حقیقت ہے
کسی کی دو جہاں میں نیک نامی ہو تو ایسی ہو

معطر ہوں فضائیں ہر طرف اک کیف چھا جائے
یسر آدمی کو خوش کلامی ہو تو ایسی ہو

نوازا پیر و مرشد نے خضرؔ کچھ ایسا خسرو کو
کسی پر ملتفت چشم نظامی ہو تو ایسی ہو

خضؔر برنی



یہاں جب شمع روشن ہے تو پروانے کہاں جائیں
لٹا دیں گے یہیں اب جان دیوانے کہاں جائیں

ہمیں تو مل گیا ہے آستانِ شیخ قسمت سے
جنونِ شوق کو اب پھر سے الجھانے کہاں جائیں

عطا ہوتی ہے اس در سے فقیروں کو شہنشاہی
اسے ہم چھوڑ کر دامن کو پھیلانے کہاں جائیں

کبھی اس در سے کوئی غیر بھی خالی نہیں جاتا
پرستار آپ کے یہ جانے پہچانے کہاں جائیں

نگاہِ لطف سے مٹ جائے گی سب بے کلی دل کی
مریضِ عشق اپنی نبض دکھلانے کہاں جائیں

مٹا دو تشنگی پیاسوں کی اب تو پیرِ میخانہ
شرابِ عشق پینے رند میخانے کہاں جائیں

جبینِ شوق نے بوسے لئے اس آستانے کے
خضؔر ہم اپنی قسمت کو بدلوانے کہاں جائیں

طاہر نظامی رامپوری



سراپا نور و شانِ کبریائی حضرتِ خسرو
نقیبِ خاص محبوبِ الٰہی حضرتِ خسرو

خدا کی بارگہہ میں اور دربارِ رسالت میں
براہِ راست ہے تیری رسائی حضرتِ خسرو

مری آنکھوں نے صدہا بار دیکھا ہے کہ حوروں نے
تمھارے در پہ کی ہے جبہ سائی حضرتِ خسرو

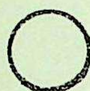
جمالِ روئے روشن پر فقط ہم ہی نہیں شیدا
فدا ہے آپ پر ساری خدائی حضرتِ خسرو

سلاطینِ زمانہ باعثِ عزّت سمجھتے ہیں
مبارک ہے ترے در کی گدائی حضرتِ خسرو

عجم ایران و پاکستان، سمرقند و بخارا کیا
عرب تک ہے تمھاری بادشاہی حضرتِ خسرو

زمانے نے عقیدت مند طاہر کو ستایا ہے
دُہائی ہے دُہائی ہے دُہائی حضرتِ خسرو

انور صدیقی



گر دیکھ سکے کوئی تو خسرو تری ہستی
اک جلوۂ صد خودنگری و خودشکنی تھی

اک دولتِ آواز تھی اک دولتِ احساس
مہمان مرے گھر تری شیریں سخنی تھی

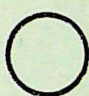
مرے نفس سرد میں بھی جاگے تو اک بات
ترے نفس گرم سے جو دنیا بنی تھی

آواز سے پہلے تری، اُردو جسے کہتے
"اک چیز لچر سی بہ زبانِ دکنی تھی"

اک موجۂ گل رنگ، تھا آواز کا عالم
کیا خوش چمنی خوش چمنی خوش چمنی تھی

تو خالقِ صد انجمن و بزم تھا لیکن
قسمت میں فروزاں، تری خود انجمنی تھی

شمس اعجاز



حریمِ عشقِ الٰہی کا رازداں خسرو
رموزِ حسنِ مجازی کا ترجماں خسرو

نقوشِ پا سے ترے جل اٹھے ہیں دیئے
چراغِ نور اندھیروں کے درمیاں خسرو

ہے تیرے علم سے خود آگہی کی تدبیریں
ہے تیرا نام محبّت کی داستاں خسرو

قیودِ مذہب و ملّت سے ہو کے بالاتر
رہا ہے بن کے اخوت کا پاسباں خسرو

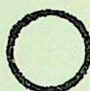
ہر ایک دل کے لئے ہر نئے زمانے میں
شعورِ بانگِ درا، میرِ کارواں خسرو

ہے تیری فکر سے ہندی میں فارسی کی مٹھاس
ہے اس زباں میں تری لذتِ بیاں خسرو

ہر انجمن میں جو خوشبو کی طرح پھیل گئی
تری زبان بھی تھی عود کا دھواں خسرو

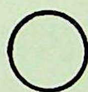
زہے نصیب کہ اس بوڑھے وقت کے دل میں
ترا خیال، تری یاد ہے جواں خسرو

انور مسعود



اُسے ہم نے نہیں دیکھا
کتابوں میں پڑھا ہے
ہمارا عہد اُس کے فکر و فن کا شہر ٹھہرا ہے
مدینہ علم و دانش کا
وہ شاعر، ساز اور نغمے کا خالق
خدا کا پاک بندہ
مادرِ ہندوستاں کا خوش ادا بیٹا
ہمارے سے اُدھر آ گے بھی اُس کا بول بالا تھا
ہمارے عہد میں بھی اسکا چرچا ہے
اُسی خسرو، اسی فکر و نظر کی روشنائی کا
ہم اُس سرچشمۂ دانش کا ورثہ ہیں
امانت ہیں
دھنک جیسی سجل تہذیب
خسرو سے عبارت ہے

سرود مرزائی



اے امیرا اے شمع بزم اتقیاء خسروِ اقلیم اربابِ صفا!
شمع محفل بود محبوبِ خدا تو نے "شب جائے کہ من بودم" کہا
نازشِ کونین کے اے رازداں
ہے رسائی تا بہ اوجِ لامکاں

اے چراغِ دہلوی کے یارِ غار صاحبِ جاہ و حشم شب زندہ دار
حُبِّ ابنائے وطن تیرا شعار اور پھر ایجاد تیری ہے ستار
کائناتِ شوق دل کا ایک داغ
زندگی کا تو نے پایا ہے سراغ

کشں کہ شہر سبز آبائی وطن — تیرا پٹیالی وطن، لعلِ ختن!
نو برس کی عمر میں فکرِ سخن — اور باندازِ وقوفِ روح و تن

تیرے موضوعِ سخن ذات و صفات
انفس و آفاق و امکان و ثبات

فنِ موسیقی میں یکتائے زماں — معرکوں میں بھی تھا میرِ کارواں
مومنِ کامل، بدامن دو جہاں — سرِ فی الآفات، ذوقِ کامراں

مطلع الانوار ہے تلقینِ حق
دفترِ معنی ہے جس کا ہر ورق

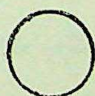
فضل سے پائی نگاہِ نکتہ رس — فکرِ فردا اور بہوشِ پیش و پس
سارے اصنافِ سخن پر دسترس — جو کہا، اللہ بس باقی ہوس

ذو لسان و عکس و نغز و ریختی
کیف آور دو ہے ٹھمری، مثنوی

عشق تیرا ذوالفقارِ بو تراب — بارگاہِ حسن میں تو باریاب
فکر میں تیری حقیقت بے نقاب — جس سے سارا ایشیا ہے فیضیاب

دل ترا فانوسِ ایوانِ رسول
میرے گلہائے عقیدت ہوں قبول

چمن لال گوسائیں کمالوی

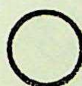


جذبِ دستی کا جہاں ہے خسرو
فخرِ صاحب نظراں ہے خسرو
جس کے دامن نے بنا رکھے ہیں لاکھوں
خسروِ فیض فشاں ہے، خسرو
جس نے قوموں کو محبّت بخشی
آدمیّت کی زباں ہے خسرو

فقر و درویشی و موسیقی میں

قبلۂ اہلِ جہاں ہے خسرو
ہند کی خاک کی عظمت کی قسم
اس کی عظمت کا نشاں ہے خسرو
وہ نہ مُلّا ہے نہ زاہد، نہ فقیر
بندۂ پیرِ مغاں ہے، خسرو
سات صدیوں کے گزرنے پر بھی
مرجع پیر و جواں ہے خسرو
جہل و نفرت کی فضاؤں سے پرے
عشق و الفت کی اذاں ہے خسرو
ہجرِ مُرشد میں ہوا جس کا وصال
ہاں وہی سوختہ جاں ہے خسرو

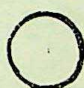
عبدالمتین نیاز



ہزاروں سال کی بے نوریاں تخلیق کرتی ہیں
اِک ایسی آنکھ جو پیچیدگیٔ وقت کا ادراک رکھتی ہو
ہر اک احساس، ہر اک فکر سے ہو آگہی جس کو
جو مستقبل کی ان دیکھی تہوں میں جھانک سکتی ہو
جو مہر و ماہ سی روشن ہو نورِ علم و دانش سے
جو لفظ و صورت کے ہر رنگ کو خود میں سمو پائے
جو ہستی کی تہوں میں ڈوب کر موتی نئے لائے
جو ارمان و تمنّا کے انوکھے گیت سنتی ہو

خوشی کے پھول چنتی ہو
غموں سے جس کی یاری ہو
اِک ایسی ہی نرالی آنچ تھی خسرو کی ہستی بھی
جو مستقبل کا سینہ چیر کر ہم تک چلی آتی
ہماری روح پر کچھ تازگی کے رنگ برسانے
پھر احساس و تفکر کے نئے عنوان سمجھانے
ہمارے خشک تپتے ذہن کو بالیدگی دینے
وہ اک فنکار اک انسان، اک صوفی،
جو اپنے فن کی روشن آنچ میں ہے جلوہ گر اب بھی
اُسی کے جشن کا سب آج ہنگامہ اٹھاتے ہیں
مگر پیغام اس کے فن کا سنتا ہی نہیں کوئی
نمائش اس کے فن کی ہو رہی ہے ساری دنیا میں

سعادت نظیر



بساطِ ارض پہ ابھرے ہیں دیدہ ور لاکھوں
مہ و نجوم فضا میں ہیں جلوہ گر لاکھوں

بدل بدل کے نظر آتے صبح و شام کئی
رہِ حیات میں مجھ سے ملے مقام کئی

کمالِ شعر و ادب کا جہاں مقام آیا
نجانے میری زباں پر یہ کس کا نام آیا؟

ترے سوا نہیں یہ اور کوئی، اے خسرو
کہاں سے لائے ترا طور کوئی؟ اے خسرو

جہانِ شوق میں تو نے جگائے ہیں جادو
تراشے ہیں صنمِ نظم و نثر کے پہلو

تری حکایتِ دل ہے حدیثِ راز و نیاز
تری حیات کی روداد میں ہے سوز و گداز

پہیلیوں میں تری، ذہن کے کئی اسرار
ہر ایک بات میں ہے تیری ندرتِ اظہار

ترے شعور کے دامن میں ہیں وہ پھول تمام
سُنا رہے ہیں جو عہدِ بہار کا پیغام

کبھی نہ بن سکا قدرِ دوامِ شاہی جلال
مگر ہے تازہ ابھی تک ترے ہنر کا جمال

زبانِ آتش و غالب کے اوّلین فن کار
زبانِ جامی و حافظ میں ہیں ترے شہکار

سلام، خسروِ شیریں سخن، ہو تجھ پہ سلام
نظر نواز ہے، خاطر نشیں ہے تیرا کلام

ترے کلام میں ہیں دل کی کیفیات کتنی
مشاہدات کتنی اور تجربات کتنی

تری رُباعی میں فکر و نظر کا عالم ہے
سرور و کیف کا، جذب و اثر کا عالم ہے

ترا قصیدہ، تری مثنوی، ترے ابیات
نگار خانۂ فن میں مرقعِ جذبات

تری غزل میں تڑپتا ہے جلوۂ صد رنگ
ترا سخن ہے تری زندگی سے ہم آہنگ

ترا خیال[1]، ترانہ[2]، بسنت[3]، اور ملار[4]
دکھا رہے ہیں تری جدّتِ ہنر کی بہار

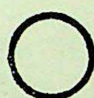
کبھی ہے بزم میں تو، ایک شوخ نغمہ طراز
تو رزم میں ہے کبھی ایک ترکِ تیر انداز

ترا طریق غریبی نہیں، امیری ہے
ترا سلوک مگر جادۂ فقیری ہے

بجا ہے، تجھ کو اگر جامع الصفات کہیں
جنون و ہوش کی رنگین کائنات کہیں

[1،2] امیر خسرو کے ایجاد کردہ راگوں کے نام [3] بسنت کا میلہ [4] برسات کا گیت۔

خواجہ غلام نظام الدین قادری



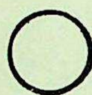
خسروِ ملکِ ولایت خسرو
نیرّ بُرج کرامت خسرو

راہِ الفت میں فنا فی المجوب
پیکرِ عشق و عقیدت خسرو

درسِ یکتائی ملّت سے ہوئے
ہند میں مرکزِ وحدت خسرو

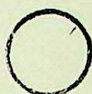
تیرے مجوب کا خواجہ ہے غلام
اس پہ بھی چشم عنایت خسرو

واجد سحری



دراصل فسانہ ہے ترا ایسا فسانہ
بھولا ہے نہ بھولے گا کبھی جس کو زمانہ
دیوانۂ محبوب الٰہی تو کبھی تھا
اب تو ترا دیوانہ ہے یہ سارا زمانہ
اخلاص کی تجھ میں یہ ادا پائی گئی ہے
دشمن بھی ہوا تیر محبت کا نشانہ
اک ہستیٔ رنگین کے ہیں عنوان ہزاروں
حیران ہوں کس طرح لکھوں تیرا فسانہ
تو انجمنِ عشق کی اک شمع ضیا بار
تو سازِ محبت کا ہے رنگین ترانہ
خسرو تری عظمت کا ہے واجد بھی پرستار
اقلیم سخن میں تری ہستی ہے یگانہ

قیصر حیدری دہلوی



ابھی تک قلبِ افسردہ جواں معلوم ہوتا ہے
یہ در پردہ کوئی روحِ رواں معلوم ہوتا ہے

جسے دیکھو، وہی ایذا رساں معلوم ہوتا ہے
زمیں کا ذرّہ ذرّہ آسماں معلوم ہوتا ہے

کچھ اِس اُسلوب سے آغاز کی ہے داستاں ہم نے
کہ ہر فقرہ مکمل داستاں معلوم ہوتا ہے

بدل ڈالا ہے ماحولِ قفس اِتنا اسیروں نے
کہ بادی النظر میں آشیاں معلوم ہوتا ہے

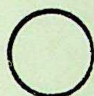
سحر سے شام تک سجدے ہیں اور سجدے بھی بے گنتی
سرِ شوریدہ جُزوِ آستاں معلوم ہوتا ہے

بباطن تُو ہی تُو ہر انجمن میں جلوہ آرا ہے
بظاہر تیرا ہر جلوہ نہاں معلوم ہوتا ہے

نگاہیں روضۂ خسرو پہ قیصر کانپ جاتی ہیں
کہ "زندہ مُوجدِ اردو زباں" معلوم ہوتا ہے

تضمین

نظیر اکبر آبادی



کب لالہ وگل کر سکیں، عارض سے تیرے ہم سری
قد سے خجل سروِ سہی، رفتار سے کبکِ دری
محبوب تجھ سے سیکھ لیں، ناز و ادا و دل بری
اے چہرۂ زیبائے تو، رشکِ بتانِ آذری
ہر چند وصفت می کنم، در حسن زاں زیباتری

ہے شور تیرے حسن کا، لے کر زمیں سے چرخ تک
دن رات صورت کو تری، شمس و قمر رہتے ہیں تک
دیکھے ہے جو تیرے تئیں، کہتا یہی ہے یک بہ یک
"تا نقش می بند و فلک، کس را نہ دیدست ایں نمک
حوری نہ دانم یا ملک، فرزندِ آدم یا پری"

تیرا رُخ اے رعنا صنم، بھر کر نظر دیکھے ہے جو
کھو دے ہے وہ ایمان کو، باندھے ہے وہ زنّار کو
دیوانے تیرے عشق ہیں، دل سے نہیں کچھ ایک دو
عالم ہمہ یغمائے تو، خلقِ جہاں شیدائے تو
ایں نرگسِ رعنائے تو، آوردہ رسمِ کافری

ہے خُلق وخوبی میں بھرا، اس طور سے وہ نازنیں
بہزاد و مانی دیکھتے، تو ہوتے وہ حیرت قریں
گر اس بیاں کی راست کا ہے کچھ نہیں تجھ کو یقیں
صورت گرِ زیبائے چیں، رو صورتِ یارم بہ بیں
یا صورتے کش ایں چنیں یا ترک کن صورت گری

ہیں خلق میں ہر سو عیاں، رنگین ادا زیبا صنم
گل گوں قبا نازک بدن، سو زیب و زینت سے بہم
کی غور تو سچ ہے یہی، مجھ کو محبت کی قسم
آفاقہا گر دیدہ ام، مہرِ بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام، لیکن تو چیزے دیگری

آیا نظر جس روز سے، تجھ سا شکر لب، مہ لقا
ابرو کماں، جادو نظر، شیریں سخن ور عشوہ زا
اپنے وطن کو چھوڑ کر، مثلِ نظیرؔ مبتلا
خسروؔ غریب است و گدا، افتادہ در شہرِ شما
باشد کہ از بہرِ خدا، سوئے غریباں بنگری

محمد عثمان عارف نقشبندی



(۱)

فروغِ حسنِ کامل بود شب جائے کہ من بودم
نگاہِ ناز قاتل بود شب جائے کہ من بودم
عجب غارت گر دل بود شب جائے کہ من بودم
نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم
بہ ہر سو رقصِ بسمل بود شب جائے کہ من بودم

(۲)

حسین و مہ جبین و نازنین و فتنہ گفتارے
بہ یک لطفِ نظر عشاق را انجام شکارے
بہ ہر عشوہ جفا جوئے، بہ ہر غمزہ ستم گارے
پری پیکر نگارے، سرو قدِ، لالہ رخسارے
سراپا آفتِ دل بود شب جائے کہ من بودم

(۳)

بصد ارماں رسیدم چوں بہ بزم خسروِ خوباں

بہ عرض مدعا دل بے قرار و دیدہ ام گریاں

مگر اے وائے ناکامی چہ گویم حسرت و حرماں

رقیباں گوش بر آواز و اُو در ناز و من ترساں

سخن گفتن چہ مشکل بود شب جائے کہ من بودم

(۴)

عجب گستاخ و بے پروا نگاہِ عاشقاں خسرو

بجائے می رسد عارف، فتد وہم و گماں خسرو

حقیقت فاش می گویم کجا صاحب دلاں خسرو

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو

محمدؐ شمعِ محفل بود شب جائے کہ من بودم

جگر اجمیری



عشق گفتار نیست و دیگرے گفتار نیست
ہجر دشوار است لیکن عشق ما دشوار نیست

ایں لباسِ من لباسِ جبّہ و دستار نیست
کافرِ عشقم مسلمانی مرا درکار نیست

ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنار نیست

حُسنِ جاناں نے بنا ڈالا مجھے سرشارِ عشق
ناز ہے مجھ کو کہ میں ہوں بندۂ سرکارِ عشق

اب ادا کرنا ہے مجھ کو یہ بھی اک کردارِ عشق
شاد باش اے دل کہ فردا بر سرِ بازارِ عشق

وعدۂ قتل است گرچہ وعدۂ دیدار نیست

تو عبث ہوتا ہے میرے حال پر حیراں طبیب
جس کو تو آساں سمجھتا ہے نہیں آساں طبیب
تجھ سے کیا ہوگا بھلا اس درد کا درماں طبیب
از سرِ بالینِ من برخیز اے ناداں طبیب
دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست

بندۂ اہلِ وفا ہوں کیا کروں یہ راز فاش
فکرِ طوفاں کیا کروں اور کیوں کروں ساحل تلاش
میری کشتی ان تھپیڑوں سے نہ ہوگی پاش پاش
ناخدائے کشتی ما گر نہ باشد گو مباش
ما خدا داریم ما را ناخدا در کار نیست

عشق لامحدود ہے کوئی نہیں ہے اس کی حد
عشق والوں سے رہا ہے ہر زمانے کو حسد
اے جگر یہ حضرتِ خسرو نے لکھ دی ہے سند
خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند
آرے آرے می کنم با خلق و عالم کار نیست

درد کاکوروی



سحرم نسیم گفتہ کہ بہار خواہی آمد
کہ حسیں غزال رعنا بکنار خواہی آمد
بشگفت غنچۂ دل بکنار خواہی آمد
خبرم رسید امشب کہ نگار خواہی آمد
سرِ من فدائے راہے کہ سوار خواہی آمد

بہ تصورے سرشکم چو صدف کشادہ برکف
بہ ہوائے دوست جانم نفسم فشانہ برکف
ہمہ میکشانِ ساقی زخمار بادہ برکف
ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ برکف
بامید آں کہ روزے بشکار خواہی آمد

چو تمام تیرہ بختم کنی قسمتم درخشاں
کہ بہار ہست خنداں گہے شبنم است گریاں

زکمالِ حسن داری تو چنیں جمال پنہاں
کششے کہ عشق دارد نہ گزاروت بدیں ساں

بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

بزمیں نہ من دوانم بسمانہ من روانم
چو ضعیف و ناتوانم ۔ بدل و جگر تپانم

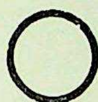
بشنو چنیں بیانم شب و روز در فغانم
بہ لبم رسید جانم تو بیا کہ زندہ مانم

پس ازاں کہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

ہمہ خسرو قلم گم بہ چنیں بیان خسرو
بمرادِ درد آید زکجا لسانِ خسرو

ز نظام کج کلاہی ہمہ آن و بان خسرو
بہ یک آمدن ربودی دل و دین و جان خسرو

چہ شود اگر بدیں ساں دو سہ بار خواہی آمد

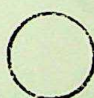


شورِ بلبل جو نہ ہوتا تو چمن سُونا تھا
صرف خسروؔ ہی نہ ہوتے تو وطن سُونا تھا

ھلالؔ سیوہاروی

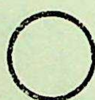
ترجمے

کلام خسرو



ہر شب فتادہ بگرد سرائے تو
ہر روز گریہ و نالہ کنم از سرائے تو
ہرگز شب وصالِ تو روزی نہ شد مرا
اے وائے ہر کسے کہ شود مبتلائے تو
روزے کہ ذرّہ شود استخوان من
باشد ہنوز در دل ریشم ہوائے تو
ہر حالِ زار من نظر کن زراہ لطف
تو بادشاہ حسن و خسرو گدائے تو

روش صدیقی



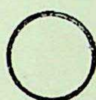
میں گلی میں تری راتوں کو پھرا تیرے لئے
روز ہنگامۂ فریاد رہا تیرے لئے

عمر بھر روتے شب وصل نہ دیکھی اُس نے
ہائے وہ شخص جو برباد ہوا تیرے لئے

استخواں خاک میں مل کر ہوئیں ذرّہ ذرّہ
دل میں اب تک ہے درِ شوق کھلا تیرے لئے

حال پر اس کے بھی ہو اک نگہہ لطف و کرم
تو شہہ حسن ہے خسرو ہے گدا تیرے لئے

کلام خسرو



کاریست درسرم کہ بہ ساماں نمی شود
درویست دردلم کہ بہ درماں نمی شود

می کن بناز خندہ کہ دیوانہ تر شوم
دیوانگیٔ من چو بہ پایاں نمی شود

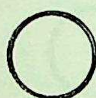
جانم فدائے نرگس او باد ہر زماں
خوں می کند ہزار و پشیماں نمی شود

آں کس کہ گشت عاشق و بے دل ز دست تو
گوئی نہ عاشق ست کہ بے جاں نمی شود

دل را ز عشق چند ملامت کنم کہ ہیچ؟
ایں کافر قدیم مسلماں نمی شود

خسرو کہ ہست سوختہ و خام سوز عشق
آتش زنش کہ پختہ و بریاں نمی شود

گلزار دہلوی



اُس کام کا جو سر میں ہے ساماں نہیں ہوتا
اُس درد کا جو دل میں ہے درماں نہیں ہوتا

اتنا نہ ہنسا اور بھی دیوانہ بنوں میں
دیوانگیِ شوق کا پایاں نہیں ہوتا

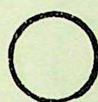
اُن نرگسی آنکھوں پہ فدا جان کہ قاتل
جس قتلِ محبّت پہ پشیماں نہیں ہوتا

جو شخص ترے عشق میں ہو جائے گا بے دل
بے دل تو وہ ہو جائیگا بے جاں نہیں ہوتا

کہتا ہوں بُرا عشق میں ہر چند میں دل کو
یہ پاپی پرانا ہے مسلماں نہیں ہوتا

کیا آتشِ اُلفت ہے عجب جو دلِ خُسرو
جلتا ہے مگر خیر سے بریاں نہیں ہوتا

کلامِ خسرو



یارب اندر دلِ چاک آں گُلِ خنداں چونست؟
ماہِ تابانِ من اندر شبِ ہجراں چونست؟

من چو یعقوب زبس گریہ شدم دیدہ سفید
آخر آں یوسفِ گم گشتہ بزنداں چونست؟

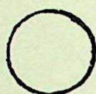
من درایں خاک بزندانِ غم از دوریٔ او
او زمن دور بصحرا و بیاباں چونست؟

گوہرے بود کزیں دیدہ بغلطید بخاک
دیدہ خود خاک شد آں گوہرِ غلطاں چونست؟

سبزہ چوں خضر زپیراہنِ خاکش برخاست
در سوائے عدم آں چشمۂ حیوان چونست؟

مردماں باز مپرسید زخسرو کہ کنوں
در غم دوست ترا دیدۂ گریاں چونست؟

گلزار دہلوی



یاخدا ہے مرے دل میں گُلِ خنداں جیسے
یادِ مہ وش سے بھڑکتی شبِ ہجراں جیسے

مری آنکھیں ہوئیں یعقوب کے مانند سفید
کوئی کھویا ہوا یوسف سرِ زنداں جیسے

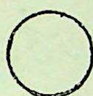
میں ہوا خاک میں پابند تری فرقت کا
اور تو دور ہے مجھ سے بہ بیاباں جیسے

گوہرِ اشک مری آنکھ سے مٹی میں ملا
آنکھ میلی ہوئی وہ گوہر غلطاں جیسے

خاک سے خضر کے مانند یوں سبزہ ابھرا
عدم آباد میں ہو چشمۂ حیواں جیسے

دیکھ کر حالتِ خُسترِ دہ ہوئے ٹھنڈے احباب
دوست کے غم میں ہوں نم دیدۂ گریاں جیسے

کلام خسرو



آفتِ دینِ مسلمانی جز آں عیار نیست
تشنۂ خونِ مسلماناں جز آں خونخوار نیست

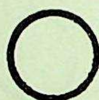
ما و عشقِ یار اگر در قبلہ و در بت کدہ
عاشقانِ دوست را با کفر و ایمان کار نیست

چند گویندہ برد زنار بند اے بُت پرست
در تنِ خسرو کدامی رگ کہ آں زنار نیست

کافر عشقم مسلمانی مرا در کار نیست
ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنار نیست

خلق می گوید کہ خسرو بُت پرستی می کند
آرے آرے می کنم با خلق و عالم کار نیست

گلزار دہلوی



آفت پئے دیں کیا بُتِ عیّار نہیں ہے
مسلم کا لہو پینے کو خوں خوار نہیں ہے

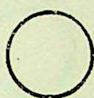
ہو قبلہ بھی بُت خانہ جو ہو عشق وہاں بھی
کچھ کفر سے ایماں کو سروکار نہیں ہے

سُن تو بُت کافر خسرو کو ذرا دیکھ
رگ کون سی ہے اس میں جو زُنّار نہیں ہے

دیں عشق کے کافر کو تو درکار نہیں ہے
کیا جسم کی ہر رگ میری زُنّار نہیں ہے

سب کہتے ہیں خسرو تو بتوں کا ہے پجاری
ہاں خلق سے خسرو کو سروکار نہیں ہے

کلام خسرو



بے روے تو خوش کردم من تلخیِ ہجراں را
باشربت دیدارت بد خو نہ کنم جاں را

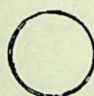
دی شانہ زدے گیسو اُفتاد بسے دلہا
گرد آردَمے آخر دلہائے پریشاں را

تو می روی و دلہا دنبال دواں ہر سُو
چوں خلق کہ بستاند نظّارۂ سلطاں را

بدبخت دلے دارم دیوانۂ بُت رویاں
یارب کہ مبادا ایں دل ہندو، و مسلماں را

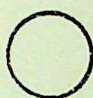
گویند کہ از خوباں بدنام شدی خسرو
چوں دل نہ کند فرماں خسرو چہ کند آں را؟

گلزار دہلوی



تجھ بن بھی کیا میں نے نوشِ تلخیِ ہجراں کو
دیدار کی شربت سے بدخو نہ کیا جاں کو
دل الجھے ہیں کل شب کیا گیسو کے سنورنے سے
اب جیت لے آخر دم ہر قلب پریشاں کو
ہر دل ہے ترے پیچھے جس سمت بھی تو جائے
گو خلق کی آنکھیں ہیں نظّارۂ سلطاں کو
بدبخت مرا دل تو دیوانہ بتوں کا ہے
یارب تو یہ دل دیجو ہندو نہ مسلماں کو
کہتے ہیں حسینوں سے بدنام ہوا خسرو
سنتا نہیں دل خسرو کیا کیجئے فرماں کو

کلام خسرو



صبا چو در سرِ آں زلفِ نیم تاب شود
شکیب در دلِ بیننده تنگ و تاب شود

بہ ترکِ دین مسلمانیش بہ باید گفت
دلے کہ در شکنِ زلفِ نیم تاب شود

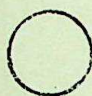
سیاہ روے شدم زیں سفید رخساراں
چو ہندوے کہ پرستارِ آفتاب شود

بہ ہر جفا کہ کند چشمِ تو رضا دادم
کہ از خصومتِ ترکاں جہاں خراب شود

بہ ہر زمیں کہ چو آبِ حیات بہ خرامے
دہانِ مُردہ بہ زیرِ زمیں پُر آب شود

نہ خفت خسروِ مسکیں دریں ہوس شبہا
کہ دیدہ بر کفِ پایت نہد بہ خواب شود

گلزار دہلوی



صبا سے اُن کی زلفوں میں جو پیچ و تاب ہوتا ہے
تو صبر دل ہر اک ناظر کا تنگ و تاب ہوتا ہے

مجھے کرتا ہے ترکِ دیں پہ مائل کتنا تڑپا کر
جو زلفوں کی شکن سے دل میں پیچ و تاب ہوتا ہے

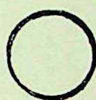
سفیدی نے حسیں گالوں کی میرا رُخ کیا کالا
پجاری جیسے سورج کا بہ آب و تاب ہوتا ہے

تری آنکھوں کو ہر ظلم و ستم کی یوں اجازت ہے
حسیں ترکوں سے لڑنے میں جہاں غرقاب ہوتا ہے

ترے گلگشت سے آبِ حیاتِ ناز ہے پیدا
وہن مُردوں کا مرقد تک نہیں کبھی پُر آب ہوتا ہے

نہ نیند آتی کبھی خسرو کو راتوں اس تمنّا میں
رکھے آنکھیں کفِ پا پر ترے تب خواب ہوتا ہے

کلام خسرو



مارا تو صنم ماہے دیگر بہ چہ کار آید
آنجا کہ لبے باشد شکر بہ چہ کار آید

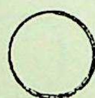
خنجر کشی از مژگان بر سینۂ من چوں من
بے تیغ شدم کشتہ خنجر بہ چہ کار آید

شد خستہ درونِ من از بیم جفا کیشان
چوں می نہ دہد دادم داور بہ چہ کار آید

اختر شمرم ہر شب در طالع خود لیکن
چوں کار قضا دارد اختر بہ چہ کار آید

عقل از سر خسرو شد دیوانۂ مہ رویان
عقلے کہ چنیں نبود در سر بہ چہ کار آید

گلزار دہلوی



صنم جو میرا ہے ماہ طلعت تو ماہ دیگر کی کیا ضرورت
ترے لبوں کا ملے جو شربت تو پھر شکر کی کیا ضرورت

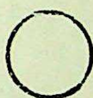
تو اپنی پلکوں سے میرے سینہ پہ کیوں چلاتا ہے روز خنجر
میں مر مٹا ہوں بغیر خنجر تو مجھ کو خنجر کی کیا ضرورت

حسین بلاؤں نے میرا سینہ کیا ہے بالم ستم سے چھلنی
نہ پھر بھی دے داد سخت جانی تو ایسے داور کی کیا ضرورت

میں اپنی قسمت کے تارے گن گن کے کاٹتا ہوں شبان فرقت
مگر جسے کام ہو قضا سے تو اس کو خنجر کی کیا ضرورت

غرور جو خسرو کے سر سے کھیلی وہ مہ وشوں کا ہوا دوانہ
غرور نہ گلزار ہو دوانی تو ایسے پھر سر کی کیا ضرورت

کلام خسرو



باز ترکِ مستِ من آہنگ بازی می کند
کس نہ کردہ ست آں کہ آں ترکِ طرازی می کند

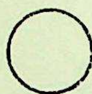
زلف او را سر بہ سر عالم بہ موئے بستہ شد
ہندوئے را ایں کہ زایناں ترک تازی می کند

از خیالش ماندہ ام شرمندہ، کاندر چشمِ من
گہہ گہے می آید و مردم نوازی می کند

جز اشارت نیست سوئے لعلِ تو مارا زدود
ہم چو انگشتے کہ بر حلوا درازی می کند

می رود در خونِ خسرو آں صنم دامن کشاں
پس بہ آبِ چشمِ تر دامن نمازی می کند

گلزار دہلوی



پھر بتِ بدمست میرا نَے نوازی کرتا ہے
کس اچھوتے نقش سے جادو طرازی کرتا ہے

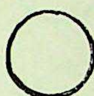
سارا عالم سر بسر ہے اس کی زلفوں کا اسیر
دیکھا اس کالے کو کیسے ترک تازی کرتا ہے

شرم سے محجوب ہوں اس کے خیالوں کے طفیل
آنکھوں میں بستا ہے وہ مردم نوازی کرتا ہے

دور سے کرتا ہے وہ شاید اشارے اس طرح
جیسے انگلی پھیر کر شیریں نوازی کرتا ہے

خونِ خسرو میں رواں ہے وہ صنم دامن کشاں
اور اس دامن پہ سجدہ بھی نمازی کرتا ہے

کلام خسرو



بُت نو رسیدۂ من ہوسِ شکار دارد
دلِ صید کردہ ہر سُو نہ یکے ہزار دارد

دلِ من ببرد زلفش جگرم نہ جست چشمش
تو مباش غافل اے جاں کہ ہنوز کار دارد

نہ توانمش کہ بینم بہ رقیبِ ناموافق
چہ خوش ست گل، ولیکن چہ کنم کہ خار دارد

بہ خدا کہ سینۂ من بہ شگاف و جاں بروں کن
کہ درونِ خانۂ تو دگرے چہ کار دارد؟

چو اسیرِ تست خسرو نظرے بامردمی کن
کہ ز تابِ زلفِ مستت دلِ بے قرار دارد

گلزار دہلوی



میرے نورسیدہ بُت کو جو ہوس شکار کی ہے
سبھی دل ہیں صید اس کے اسے فکر ہزار کی ہے

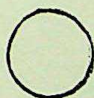
پھنسا زلف میں میرا دل جلا حسن سے جگر بھی
مری جان، جان باقی، ابھی جاں نثار کی ہے

نہیں تاب مجھ کو دیکھوں جو رقیب روسیہ کو
مرے گل قریب تیرے جو خلش یہ خار کی ہے

مرا سینہ کر کے چھلنی مجھے قتل کر خدا را
وہاں سانس بھی نہ گذرے جو جگہ پیار کی ہے

ہے تیرا اسیر خسرو ذرا دیکھ مردمی سے
میری جان دیکھ حالت جو دلِ فگار کی ہے

کلام خسرو



من بہرِ تو بدیدہ و دلِ خانہ ساختہ — وز من تو خویش را ہمہ بیگانہ ساختہ

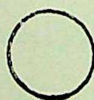
ما ہیم رخنہ کردہ دل از برِ نیکواں — مسجد خراب کردہ و بت خانہ ساختہ

یاراں کہ در فسانۂ راحت کنند خواب — بے خوابیٔ مرا ہمہ افسانہ ساختہ

چوں نالۂ شبانۂ عاشق کشندہ نیست — مطرب کہ صد ترانۂ مستانہ ساختہ

خسرو ز عشوۂ تو زبوں گشت عاقبت
ہر چند خویش عاقل و فرزانہ ساختہ

رام کرشن مضطر



میں نے تو سمجھا تھا دل کو ترا کاشانہ — یہ کیا کہ مجھی سے تو اب ہو گیا بیگانہ

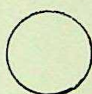
چاہت نے حسینوں کی برباد کیا دل کو — صد حیف بنا ڈالا مسجد کو بھی بت خانہ

راحت کی کہانی سے نیند آتی ہے یاروں کو — اب ہے مری بے خوابی افسانہ در افسانہ

کب نالۂ عاشق کا انداز ہوا پیدا — آئے لبِ مطرب پر تو نغمۂ مستانہ

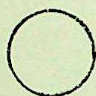
خسرو ترے ہاتھوں سے عقبیٰ بھی گئی آخر
ہر چند کہ بنتا تھا تو عاقل و فرزانہ

کلامِ خسرو



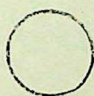
بیا ساقی و مئے وردہ کہ گل در بوستاں آمد
زجامِ لالہ بلبل مست گشت و در فغاں آمد
شرابے خورد غنچہ از ہوائے ابرو ریزندہ
صبا تا گہ لبش بوسید و لبیش در دہاں آمد
میانِ غنچہ و گل از پئے زر بود اشکالے
کشاد آں عقدۂ مشکل صبا چوں درمیاں آمد
نفیرِ بلبلاں نہ گذاشت خفتن چشمِ نرگس را
شبے گر خوابے اندر دیدۂ آں ناتواں آمد
گلستانے ست خاکِ آستانت از رخِ خوباں
کہ مرغِ آں گلستاں خسروِ سحرالبیاں آمد

رام کرشن مضطر



کرم ساقی کہ ہنگامِ بہارِ گل فشاں آیا
خوشا مستی کہ دورِ نغمہ ہائے بلبلاں آیا
صبا نے جب کبھی غنچے کے شراب آلود لب چومے
دہن میں جانفزا اک موجۂ عنبر چکاں آیا
برائے زرکشا کشِ ہو رہی تھی غنچہ و گل میں
یہ مشکل حل ہوئی دستِ صبا جب درمیاں آیا
خروشِ عندلیباں نے اڑا دی نیند نرگس کی
شب اُن بیمار آنکھوں میں اگر خوابِ گراں آیا
یہ تیرا آستاں وہ گلشنِ صد رنگ ہے جس میں
چہکنے مثلِ بلبل خسروِ جادو بیان آیا!

کلام خسرو



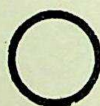
اے ترک کماں ابرو من کشتہ ابرویت
ملک ہمہ ہندوچیں بخشم بیکے مویت

مسجد چہ روم چندیں آخر چہ نماز است ایں
رویم بسوئے قبلہ دل جانب ابرویت

پیش تو بگو کای بت سوزند چو ہندوییم
بر آئینہ ریز آنکہ خاکستر ہندو یت

سر در خم چوگانت راضیست بریں خسرو
آں بخت اگر کارد سر خم بازو یت

رام کرشن مضطر



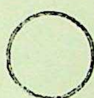
اے حُسنِ کماں ابرو قربان ترے ابرو پر
کُل دولتِ ہند و چیں بخشوں ترے اک مو پر

مسجد کو میں کیا جاؤں کیسی یہ نماز آخر
رُخ جانبِ قبلہ ہے نظریں ترے ابرو پر

یہ راکھ چِتا کی ہے آئینے پہ بکھرا دے
اے بُت یہ کرم فرما خاکسترِ ہندو پر

سر ہے ترے قدموں پر راضی ہے مگر خسرو
ارماں ہے کسی دن ہو یہ سر ترے بازو پر

کلام خسرو



نہ از نقاش چیں ہرگز چنیں صورت گری آمد
نہ این ناز و کرشمہ از بتان آذری آمد

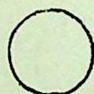
مکن ناز و مکش مارا مسلمانی است این آخر
اگر عاشق شدم جاناں چہ کردم کافری آمد

چہ شد کامروز نہ آب چشم من بی خواست می آید
دگرگوں می شود این دل مگر آن لشکری آمد

زخوباں داغ ہا دارم بر این دل وائے مسکینی
کہ با این دشمناں دوست روش داوری آمد

غلام عشق شو خسرو بزیر تیغ گردن نہ
حدیث عقل را مشنو کہ کارش سرسری آمد

رام کرشن مضطر



نہ تو چین کے کسی "نقش گر" سے ہوا یہ کارِ فسوں گری
نہ پہنچ سکا ترے حسن کو وہ کمالِ صنعتِ آذری

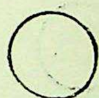
یہ ہے شرطِ دینِ محمدی نہ تو ظلم ڈھا نہ تو قتل کر
مجھے عشق ہے تو برا ہے کیا کہ مرا طریق ہے کافری

یہ عجیب حال ہے آج کیوں مرے اشک چشم سے ہیں رواں
مرے دل کو آج یہ کیا ہوا کہیں آ گیا مرا لشکری

یہ جو دل میں عشق کے داغ ہیں انھیں حسن والوں نے ہیں دیئے
مری بے کسی کو تو دیکھئے کہ ملی ہے ان کو ہی داوری

تو غلامِ عشق ہو خسروا یہ رضائے دوست ہے سر جھکا
نہ خرد کی سن تو حکایتیں کہ حدیثِ عقل ہے سرسری

کلام خسرو



کدام دل کہ تو غمزہ زدی فگار نہ شد
کدام کس کہ ترا دید و بے قرار نہ شد

بسوخت نالۂ من سنگ را عجب سنگ است
دلت کہ سوختہ زین نالہ ہائے زار نہ شد

جہانِ پُر از گل و سرو روانم از من دور
حسابِ من بہ جہاں گوئیا بہار نہ شد

خوشا کرشمہ کہ آن یار، وقتِ زاری من
بہ دیدہ بر شکن آن دا دو شرمسار نہ شد

بہ عشق دو رُخی خام سوز شد خسرو!!
ازاں کہ سوخت دریں کار و پختہ کار نہ شد!

رام کرشن مضطر



کون ہے وہ جو تجھے دیکھ کے حیراں نہ ہوا
چاک داماں نہ ہوا چاک گریباں نہ ہوا

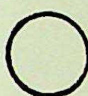
میرے نالوں میں وہ گرمی تھی کہ پتھر پگھلے
نرم لیکن کسی صورت دلِ جاناں نہ ہوا

کس قدر شاق تھا اُس جانِ گلستاں کا فراق
میرے دِل پر اثرِ فصلِ بہاراں نہ ہوا

رات کیا کیا نہ بہے اشک مری آنکھوں سے
وہ مگر اپنی جفاؤں پہ پشیماں نہ ہوا

دو رُخی عشق میں خسرو نے مٹا دی یکسر
کوئی محرومِ یقیں صاحبِ ایماں نہ ہوا

کلامِ خسروؔ



ای زِ خیال ما برون در تو خیال کے رسد
با صفتِ تو عقل را لافِ کمال کے رسد

گر ہمہ مردم و ملک خاک شوند بر درت
دامنِ عزّتِ ترا گردِ زوال کے رسد

کنگرِ کبریائی تو ہست فرازِ لامکاں
طائرِ ما در آں ہوائی پر و بال کے رسد

بر درِ بے نیازیت صد چو حسین کربلا
تشنہ بماند ہرگزر تا بزلال کے رسد

ہست بہ تخت گاہ دل جلوۂ قرب روز و شب
لیک بجلوۂ چناں چشمِ خیال کے رسد

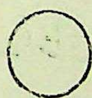
آیت رحمت از حرم ہست برای حاجیان
خسروؔ بُت پرست را جز خط و خال کے رسد

رام کرشن مضطر



کیسے ترے جمال تک میرا خیال جا سکے
تری صفات تک کہاں لافِ کمال جا سکے
گر ہمہ مردم و ملک ہوں ترے آستاں کی خاک
دامنِ پاک تک کہاں گردِ زوال جا سکے
کیسے ملے ترا نشاں تو ہے مکینِ لامکاں
کیسے وہاں یہ طائرِ بے پر و بال جا سکے
درگہہِ بے نیاز پر صد چو حسین کربلا
تشنہ رہے مگر کہاں تا بہ زلال جا سکے!
اُس کا جمال جلوہ گر دل میں ہے روز و شب مگر
ایسے جمال تک کہاں چشمِ خیال جا سکے
آیت رحمت از حرم تو ہے برائے حاجیاں
خسروِ بت پرست کب جز خط و خال جا سکے

کلام خسرو



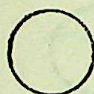
بیا ساقی و مئے در دہ کہ گل در بوستاں آمد
زجام لالہ بلبل مست گشت و در فغاں آمد

شرابے خورد غنچہ از ہوائے ابر در پردہ
صبا ناگہ لبش بوسید و بویش در دہاں آمد

نفیر بلبلاں نگذاشت خفتن چشم نرگس را
شبے گر خوابے اندر دیدۂ آں ناتواں آمد

گلستانیست خاکِ آستانت از رُخ خوباں
کہ مرغِ آں گلستاں خسرو سحرالبیاں آمد

محمد عثمان عارف نقشبندی



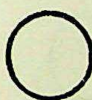
بہار آئی، نوا ساقی، ٹھا نے بزم رنداں میں
کہ مستِ لالہ بلبل ہے فغاں پر لب گلستاں میں

ہوا وا ابر کے پردے میں غنچہ نے وہ کیا پی تھی
صبا نے اسکے لب چومے تو خوشبو تھی دل و جاں میں

کہاں سونے دیا ہے بلبلوں نے چشمِ نرگس کو
کسی شب نیند اگر آئی بھی اس کی چشمِ گریاں میں

رُخِ خوباں سے خاکِ آستاں تیری وہ گلشن ہے
کہ بلبل خسروِ سحر البیاں ہے اس گلستاں میں

کلام خسرو



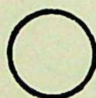
گل نو دمید و بوئی ز بہار من نیامد
چہ کنم نسیم گل را چو ز یار من نیامد

دل من چرا چو غنچہ نہ شود دریدہ صد جا
کہ صبا رسید و بوئی ز بہار من نیامد

من خوں گرفتہ کردم نظری و کشتہ ناگہ
شدم ار نہ او بعہد آبشکار من نیامد

بشب نشاط یارا چہ خبر ترا ز خسرو
کہ بجانب تو روزی شب تار من نیامد

سیّد منال شاہ القادری



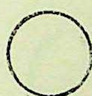
کیا رکھا ہے فصلِ گل میں جب نہ ہو دیدِ یار
اے نسیمِ گل بھلا کیا دے گی تو دل کو قرار

کیوں نہ ہو مانندِ غنچہ دل مرا صد چاک چاک
آتی ہے بادِ صبا لیکن نہ لائی بوئے یار

ایک نگاہِ ناز سے میں مرغِ بسمل ہو گیا
گرچہ قصداً وہ نہیں آتے تھے خود بہرِ شکار

کیا خبر خسرو کی تم کو تم ہو بزمِ عیش میں
تم نے تو دیکھی نہیں اس کی کبھی شبہائے تار

کلام خسرو



اے غمزہ زن کہ تیر جفا در کمانِ تُست

آہستہ تر کہ دست دلم در عنانِ تُست

داغیست از شرارۂ آہِ کسے مگر

خالِ سیہ کہ بر رُخِ چوں ارغوانِ تُست

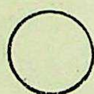
گفتم بکش کہ باز رہم ناوکِ مژہ

بنمود و گفت "ایں ہمہ از بہر جانِ تُست"

فریادِ خسرو از شنوی شب بکوئے خویش

رنجہ شو کہ فاختہ بوستانِ تُست

عزیز وارثی



غمزوں کی جان اصل میں تیری کمان ہے
تیری کمان ہی تو مرے دل کی جان ہے
خالِ سیاہ تیرے رُخِ سُرخ پر نہیں
میری شمارہ بار فغاں کا نشان ہے
مارو مجھے پھر اپنے کرم سے جلا بھی دو
یہ میری جان کیا ہے تمھاری ہی جان ہے
خسرو کی آہ وزاری سے نالاں نہ ہو کہ وہ
قُمری ہے تیری کوچہ ترا بوستان ہے

کلام خسرو



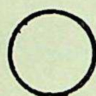
نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم
بہر سو رقص بسمل بود شب جائے کہ من بودم

پری پیکر نگارے سرو قدِ لالہ رخسارے
سراپا آفتِ دل بود شب جائے کہ من بودم

رقیباں گوش بر آوازِ او در نازمن ترساں
سخن گفتن چہ مشکل بود شب جائے کہ من بودم

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمد شمعِ محفل بود شب جائے کہ من بودم

عزیز وارثی



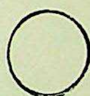
وہ کیا منزل تھی حسن و عشق کی کل شب جہاں میں تھا
مسلسل رقص میں تھی زندگی کل شب جہاں میں تھا

سراپا حُسن وہ نورِ مجسّم وہ قد و قامت
ہر اک جلوے میں تھی رخشندگی کل شب جہاں میں تھا

رقیب اس کے قریں اور امتحاں میری وفاؤں کا
قیامت سے نہ کم تھی وہ گھڑی کل شب جہاں میں تھا

خدائے پاک جس محفل میں خسرو جلوہ فرما تھے
نبی کی ذات شمعِ بزم تھی کل شب جہاں میں تھا

کلام خسرو



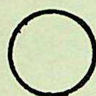
نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم
بہر سو رقص بسمل بود شب جائے کہ من بودم

پری پیکر نگارے سرو قدِ لالہ رُخسارے
سراپا آفتِ دل بود شب جائے کہ من بودم

رقیباں گوش بر آواز او در ناز من ترساں
سخن گفتن چہ مشکل بود شب جائے کہ من بودم

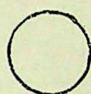
خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمد شمعِ محفل بود شب جائے کہ من بودم

عزیز وارثی



وہ کیا منزل تھی حسن و عشق کی کل شب جہاں میں تھا
مسلسل رقص میں تھی زندگی کل شب جہاں میں تھا
سراپا حُسن وہ نورِ مجسّم وہ قد و قامت
ہر اک جلوے میں تھی رخشندگی کل شب جہاں میں تھا
رقیب اس کے قریں اور امتحاں میری وفاؤں کا
قیامت سے نہ کم تھی وہ گھڑی کل شب جہاں میں تھا
خدائے پاک جس محفل میں خسرو جلوہ فرما تھے
نبی کی ذات شمعِ بزم تھی کل شب جہاں میں تھا

کلام خسرو



چشمت گہے از غمزہ ہشیار نہ خواہد شد
ایں دل زخراش او بے خار نہ خواہد شد

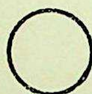
گر تیغ زنی بر تن ور نیشں زنی بر جاں
ناگاہ رود جانش، بیمار نہ خواہد شد

عشقت ز پے کشتن مردانہ بکار آمد
شادم زغمت بارے بے کار نہ خواہد شد

بر ما فتد ار تابی زاں رُخ چہ شوی رنجہ
مہتاب زا افتادن افگار نہ خواہد شد

خونخوار بود خسرو عاشق زچنیں بادہ
مست ست کہ تا محشر ہشیار نہ خواہد شد

عزیز وارثی



آنکھیں تری غمزے سے ہشیار نہیں ہوں گی
اس دل کی خراشیں بھی بے خار نہیں ہونگی

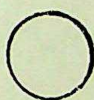
یہ تیر صفت مژگاں یہ تیغ صفت نظریں
بیمار محبت کی غم خوار نہیں ہوں گی

ہیں تیری ادائیں جو قاتل تو زہے قسمت
خوش ہوں کہ ادائیں یہ بیکار نہیں ہوں گی

افتاد پڑے پیہم اور رنج مسلسل ہو
مہتاب کو تنویریں افگار نہیں ہوں گی

خسرو ترے مستوں کی سرشار جو آنکھیں ہیں
مستی میں قیامت تک ہشیار نہیں ہوں گی

کلام خسرو



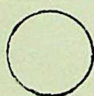
دو چشمت کہ تیرِ بلا می زند
چنیں تیر بر ما چرا می زند

کمان جانب دیگری می کشد
دلی تیر بر جانِ ما می زند

زہے غمزہ کز شوخی و چابکی
کجا می نماید کجا می زند

مریز آب خسرو ہمین غم بس ست
کہ آتش درین مبتلا میزند

عزیز وارثی



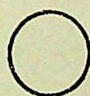
تمھاری آنکھیں ہیں تیر افگن نظر کے ہیں تیر کس بلا کے
یہ تیر کیوں دل پہ مارتے ہو نظر سے میری نظر ملا کے

کمانِ ابرو کھنچی تھی سوئے رقیب لیکن فریب تھا یہ
تمھارا تیرِ نظر لگا ہے ہماری جانِ حزیں پہ آ کے

خوشا یہ برقِ نگاہِ کافر کہیں تو چمکے گرے کہیں پر
زہے یہ اندازِ چشمِ قاتل کسی کو مارے کسی کو تاکے

نہ ہوگا خسرو یہ دردِ دل کم بہانہ آنکھوں سے اشکِ پیہم
کہ خرمنِ جاں کو پھونک دے گی یہ آتشِ غم جلا جلا کے

كلام خسرو



من بهر تو بدیده و دل خانه ساخته

وز من تو خویش را همه بیگانه ساخته

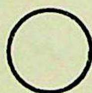
ماتیم رفته کرده، دل از بهر نیکوان

مسجد خراب کرده و بت خانه ساخته

خسرو ز عشوه تو زبون گشت عاقبت

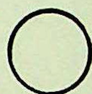
هر چند خویش عاقل و فرزانه ساخته

صغیر احمد صوفی



تیرے لئے آنکھوں میں صنم خانہ بنایا
ہر لطف سے تو نے مجھے بیگانہ بنایا
دل پھیر لیا عشق میں ہر نیک عمل سے
مسجد کو گرا کر، نیابت خانہ بنایا
عشوہ سے ترے عافیتِ دل ہوئی برباد
فرزانہ تھا خسرو، اُسے دیوانہ بنایا

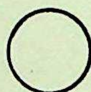
کلام خسرو



از شیخ نظام چوں سلامت مرا
با حسن عمل عیش مدام است مرا
امید بسے مراد و کام است مرا
زیرا ہمہ کار، با نظام است مرا

ترک مستم کہ قصد ایماں داشت
چشم او میل غارتِ جاں داشت
خونِ من چوں شراب می نوشید
از دلم ہم کباب بریاں داشت

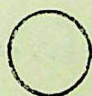
صغیر احمد صوفی



شیخ نظام سے جو دعا و سلام ہے
حسن عمل سے زندگی عیش مدام ہے
بھرتا ہوں صبح و شام مرادوں کی جھولیاں
ملتا ہے جس سے فیض وہ شیخ نظام ہے

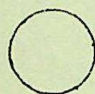
خواہاں تھا ترک مست کہ ایماں کرے خراب
اپنی نگاہِ ناز سے جینا کرے عذاب
پیتا تھا میرا خون وہ مثل شراب ناب
میرے دل گداز کو کرتا رہا کباب

کلام خسرو



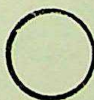
وصفِ شرفِ تو بیش از ادراک آمد
سبقِ ادبت نعبد ایاک آمد
توقیعِ تو گر صحیفۂ پاک آمد
لولاک لما خلقت الافلاک آمد

خضر برنی



تری توصیف کو عقل و خرد سے کبھی سوا پایا
ادب سے تیرے درسِ بندگی کو ہم نے اپنایا
کتابِ آسمانی میں یہی نکتہ نظر آیا
تمھاری ذات کے باعث ہوا افلاک کا سایا

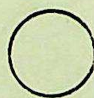
کلام خسرو



تا چشم توِ بنمود زا برو محراب
زاں قبلہ بنائے دین من گشت طرب

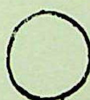
برخاک در تو مردم چشم مرا
فرض ست تیمم ارچہ غرقست در آب

نظرِ برنی



اٹھیں نظریں، جھکے ابرو تو محرابِ حرم سمجھا
بنا کر اپنا قبلہ تجھ پہ میں ایمان لے آیا
لگائی آنکھ کی پتلی میں خاکِ پاک اس در کی
تیمّم کر لیا پانی کے ہوتے، فرض اپنایا

کلام خسرو



دیوانہ شدم در آرزویت

اے چشم ہمہ جہاں بسویت

ماییم تحیّر و خموشی

و آفاق ہمہ بگفت وگویت

خسرو بکمند تو اسیر است

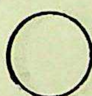
بیچارہ کجا رود ز کویت!

خواجہ راشد نظامی



تیری طرف نگاہیں دنیا کی دیکھتا ہوں
میں تیری آرزو میں دیوانہ ہو رہا ہوں
دُنیا تو کر رہی ہے ہر سمت تیرے چرچے
میں ہوں کہ ہو کے حیران خاموش ہو گیا ہوں
اب میں اسیر الفت جاؤں کہاں یہاں سے
خسرو اسی گلی کا میں ہو کے رہ گیا ہوں

کلام خسرو



جاں زتن بردی و در جانی ہنوز
دردہا دادی و درمانی ہنوز

ملک دل کردی خراب از تیغِ ناز
واندریں ویرانہ سلطانی ہنوز

ہر دو عالم قیمت خود گفتہ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

پیری و شاہد پرستی ناخوش است
خسروا تا کے پریشانی ہنوز

جعفر احمد رونی



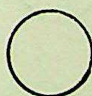
جان لے کر بھی تو نزدیکِ دل و جاں ہے ہنوز
درد دے کر بھی تو ہی درد کا درماں ہے ہنوز

دل کی دنیا ہوئی تاراج ترے غمزے سے
ایک ویرانہ کہ جس کا تو ہی سلطاں ہے ہنوز

دونوں عالم ہیں ترے حسن کی قیمت سچ ہے
نرخ کچھ اور بڑھا، کیوں کہ یہ ارزاں ہے ہنوز

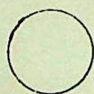
بت پرستی نہیں زیبا تجھے اس پیری میں
ہائے خسرو کہ بلا وجہ پریشاں ہے ہنوز

کلام خسرو



گوری سوتے سیج پر مُکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے رین بھئی چو دیس

گوپی ناتھ امن



وہ حسن مجسم خواب میں ہے اور رُخ پر زلف بکھیری ہے
اے خسرو چل تو گھر اپنے اب چھائی رات اندھیری ہے



سرجیت سنگھ لانبہ ۷ مارچ ۱۹۳۶ء کو راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم راولپنڈی میں پائی۔ تقسیم ہند کے بعد مہندرا کالج پٹیالہ سے ایف۔ اے اور پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۵۴ء میں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اُردو ادب اور شاعری سے خاص لگاؤ ہے۔ سخن فہم ہیں۔ ذاتی دلچسپی سے مشاعرے اور قوالی کی محفلیں ترتیب دیتے ہیں۔ اُردو شاعروں میں علامہ اقبال سے حد درجہ عقیدت ہے اور اُن کا بیشتر کلام ازبر ہے۔ وزارتِ قانون سے وابستہ ہیں۔

پتہ: کے۔۱۲۳، کیرتی نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۵